پندرہ روزہ

احباب جماعت کی تعلیم و تربیت کے لیے

پیغامِ صُلح لاہور

فون نمبر: 35863260 35862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532 قیمت فی پرچہ -/10 روپے

Email: centralanjuman@yahoo.com

جلد نمبر 99 | 8 ربیع الثانی تا 8 جمادی الاوّل 14337 ہجری یکم مارچ تا 31 مارچ 2012ء | شمارہ نمبر 6-5


## احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود رحمۃ اللہ علیہ

# اللہ تعالیٰ کی راہ میں انسان کبھی ناکام نہیں ہو سکتا ہے

اللہ تعالیٰ کا فضل عمیم ایسا ہے کہ وہ ذرا سے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان دنیا میں ظنی اور وہمی باتوں کی طرف تو اس قدر گرویدہ ہو کر محنت کرتا ہے کہ آرام کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے اور صرف ایک خشک امید پر کہ شاید کامیاب ہو جاؤں۔ ہزار ہا رنج اور دکھ اٹھاتا ہے، تاجر نفع کی امید پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتا ہے مگر یقین اسے بھی نہیں ہوتا کہ ضرور ہی نفع ہوگا۔ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے کی (جس کے وعدے یقینی اور حتمی ہیں اور جس کی طرف قدم اٹھانے والے کی ذرا سی بھی محنت رائیگاں نہیں جاتی) محنت کبھی اور کسی صورت سے ضائع نہیں جاتی۔۔۔۔ آخر یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے، وہ کیوں نہیں ڈرتے کہ آخر کار ایک دن مرنا ہے۔ کیا وہ دنیا کی ان ناکامیابیوں کو دیکھ کر بھی اس نفع والی تجارت کی فکر میں نہیں لگ سکتے جس میں خسارہ کا نام ونشان تک نہیں اور نفع یقینی ہے۔ زمیندار کس قدر محنت سے کاشتکاری کرتا ہے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس محنت کا نتیجہ ضرور راحت ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کیسا رحیم ہے اور وہ کیسا خزانہ ہے کہ جہاں کوڑی بھی جمع ہو سکتی ہے اور روپیہ اور اشرفی بھی، نہ وہاں چور چکاری کا اندیشہ اور نہ دوالا نکل جانے کا خطرہ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک کانٹا بھی راستے سے ہٹاوے تو اس کا بھی اس کو ثواب دیا جاتا ہے اور پانی نکالتا ہوا اگر ایک شخص اپنے بھائی کے گھڑے میں ایک ڈول ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی اجر ضائع نہیں کرتا۔ پس یاد رکھو کہ وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہو سکتا وہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے اس کے خلاف دنیا کی شاہراہ ایسی ہیں جہاں قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیوں کی چٹانیں ہیں۔ (۳۰ دسمبر ۱۸۹۷ء)

# مجھ کو دکھلا دے بہارِ دیں کہ میں ہوں اشکبار

کلام حضرت مسیح موعود رحمتہ اللہ علیہ

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں پہ ہم پر رات ہے
اے میرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار

فضل کے ہاتھوں سے اب وقت کر میری مدد
کشتیِ اسلام تا ہو جائے اس طوفان سے پار

میرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہوں
میری فریادوں کو سن میں ہوگیا زار و نزار

دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفٰے
مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار

یا الٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار

ایک عالم مرگیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اب میرے مولا اس طرف دریا کی دھار

اب نہیں ہیں ہوش اپنے ان مصائب میں بجا
رحم کر بندوں پہ اپنے تادہ ہودیں رست گار

ڈوبنے کو ہے یہ کشتی آمرے اے ناخدا
آگیا اس قوم پر وقت خزاں اندر بہار

اے خدا بن تیرے ہو یہ آبپاشی کس طرح
جل گیا ہے باغ تقویٰ دیں کی ہے اب اک مزار

تیرے ہاتھوں سے مرے پیارے اگر کچھ ہوتو ہو
ورنہ فتنہ کا قدم بڑھتا ہے ہر دم سیل وار

اک نشاں دکھلا کہ اب دیں ہوگیا ہے بے نشاں
اک نظر کر اس طرف تا کچھ نظر آوے بہار

اے خدا تیرے لئے ہر ذرہ ہو میرا فدا
مجھ کو دکھلا دے بہارِ دیں کہ میں ہوں اشکبار

(پیغام صلح 1935ء)

# نمازوں اور دعاؤں میں استقامت دکھاؤ

**خطبہ جمعہ، فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز**

**بر موقع سالانہ دعائیہ 2011ء بمقام جامع دارالسلام، لاہور**

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم میں دو مقامات سے تلاوت کی ہے۔

سورۃ الحدید آیت نمبر 17 جس کا ترجمہ ہے:

**"جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا ہم نے تمہارے لئے آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو"**

دوسرا مقام ہے سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 105 تا 109 جس کا ترجمہ یوں ہے:

**"اور ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا اور وہ حق کے ساتھ اترا اور ہم نے تجھے صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر دیا ہے تا کہ اُسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں پر پڑھے اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔**

**کہہ اسے مانو یا نہ مانو، جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، جب یہ ان پر پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، ہمارا رب پاک ہے، یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں، روتے ہیں اور یہ ان کی عاجزی بڑھاتا ہے"۔**

## وعدہ الٰہی

یہ آیتیں میں نے اس لئے پڑھیں کہ آج کل تمام دنیا میں خاص کر اسلام کی دنیا کے اسلامی ملکوں میں ایک مایوسی کی حالت پائی جاتی ہے۔ ہماری اس جماعت میں بھی مایوسی کی حالت پائی جاتی ہے۔ ہم اگر اپنے ملک کو دیکھیں تو اس کو اندر سے اور باہر سے خطرات ہیں۔ اسلام کی دنیا کو دیکھیں تو دنیا بھر کی سازشیں اسلام اور اسلامی ملکوں کے خلاف چل رہی ہیں اور اس سال جب میں U.K کی پارلیمنٹ میں گیا تو پہلا لفظ جو لارڈز ایز بری نے کہا کہ "Pakistan is a falling state" اور جب ہم اپنی جماعت کی طرف دھیان کریں تو اس میں بھی اندر باہر تمام طرف سے ناہمواری کے جو اثرات ہیں وہ ہمیں کمزور سے کمزور تر کرتے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مایوسی کے باوجود ان آیات میں تسلی دی ہے اور قرآن کریم میں فرمایا ہے **"جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا"** قرآن کریم کے الفاظ زمینوں کی موتیں، قوموں کی موتیں یا کسی سلسلہ کی موت اس وقت استعمال ہوتے ہیں جب اس میں مایوسی کا عالم آ جائے اور جس پر اللہ تعالیٰ نے کہا: **"جان لو اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا"**۔

اگر آج کہیں بھی مایوسی کے آثار ہیں کہ دنیا میں اسلامی ممالک ہیں، ہمارے ملک اسلامی پاکستان، یا ہماری جماعت میں کہیں بھی وہ روح نظر نہیں آ رہی جس کی خاطر یہ جماعت بنی تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے لئے مثال کے طور پر ایک موت ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ تسلی دیتا ہے۔

## اطاعت قرآن

یہ کیسے ممکن ہوگا، اس کا کیسے علاج ہوگا، اس کا علاج بھی قرآن کریم نے ان آیات میں بتایا جو میں نے دوسری جگہ سے آپ کے سامنے تلاوت کیں کہ ہم رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگیں، سجدوں میں گر پڑیں اور عاجزی اختیار کریں، اپنے اپنے غرور کو لیے نہ پھریں، اپنے آپ کو خدا کے آگے حاضر کریں اور ہم اپنی نمازوں کی طرف توجہ دینے لگیں اور انہیں توجہ سے ادا کریں اور خدا تعالیٰ کے آگے رو رو کر دعائیں مانگیں اور ہم قرآن کریم کے احکامات کی مکمل اطاعت کریں۔ ان احکامات کے بجا لانے میں کوئی Compromise نہیں ہوتا۔ قرآن کا ایک ایک حکم بجالانا ضروری ہوتا ہے اگر آپ یہ دعویٰ کریں کہ یہ جماعت ایک متقی جماعت بنائی گئی ہے ضرور ایسا ہی تھا، ضرور تقویٰ کی جماعت تھی، لیکن تقویٰ کو Maintain کرنا پڑتا ہے، **نماز جو متقی بناتی ہے اس کو قائم کرنا پڑتا ہے۔** آپ

کو بار بار استقامت کے لئے دعائیں مانگنی پڑتی ہیں کہ ہمیں استقامت کی راہیں دکھا۔ ان پر چلا اور ہمیں اس پر استقامت سے قائم رہنے میں مدد فرما۔ قرآن کی جو اطاعت ہے اس میں ایک حکم یہ بھی ہے ''**جب قرآن پڑھا جائے تو آپ سجدے میں ٹھوڑیوں کے بل گر جاؤ**'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب قرآن پڑھا جائے آپ سجدے میں گر جائیں، ایسے چند مقامات ہیں قرآن میں جہاں پر سجدہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ سنت رسولؐ ہے۔ اور ان جگہوں پر سجدہ کرنا حدیث میں ذکر ہے۔ لیکن سجدے میں گر پڑنا قرآن کو سننے کے بعد اس پر عمل کرنا اس کی اطاعت کرنا، اس کے حکموں کی اطاعت کرنا۔ قرآن میں جتنے احکامات آئے ہیں ان پر آپ چلیں گے تو آپ وہ جماعت بنیں گے جس کے لئے اس زمانے میں مسیح موعود کی آمد ہوئی۔ ورنہ رسوائی بھی ہوتی رہے گی، گالیاں بھی کھاتے رہیں گے، کافر بھی کہلاتے رہیں گے، کاذب بھی کہلاتے رہیں گے اور ساتھ ساتھ ہم اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہوئے بھی غرور کرتے رہیں گے۔ **اگر ہم باعمل احمدی نہیں تو غرور کی جگہ شرم کرنی چاہیے۔** ہم اس منزل پر نہیں پہنچ پا رہے۔ ہم نے اس کا علاج کرنا ہے، نمازوں میں خشوع رو رو کر دعائیں کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ خشوع کا مطلب ہے کہ آپ کی نگاہیں اور جو آواز ہے یہ پست ہو بالکل باریک ہو جائے ایسی حالت جیسے کوئی بچہ گھر آیا اپنے ہاتھ میں رپورٹ کارڈ لیے آئے اور وہ فیل ہو چکا ہو۔ جس طرح وہ اپنے گھر میں داخل ہوگا اپنے ماں باپ کو بتانے کے لئے کہ میں فیل ہو گیا ہوں، اس کی نگاہوں کا کیا حال ہوگا، آنکھیں نہیں ملائے گا، جھکی آنکھوں کے ساتھ، مدہم آواز میں، ڈرتے ہوئے وہ اپنا کارڈ اپنے ماں باپ کو دکھائے گا۔ تو یہ حالت آپ بچوں کو میں مخاطب ہو کر کہہ رہا ہوں کہ نمازوں میں ایسی حالت کی ضرورت ہے۔ آپ کے سب ٹیسٹ کے بعد جب رزلٹ آنا ہوتا ہے تو آپ کے اوپر ایک خشوع طاری ہو جاتا ہے جب انسان کے اوپر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کے اوپر خشوع طاری ہو جاتا ہے پھر وہ اللہ کو یاد کرنے لگ جاتا ہے۔ ''**مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا**'' (البقرہ 2:152)۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے تب یاد کرو جب تم آسائشوں میں ہوتا کہ مشکلات میں میں تمہیں یاد کروں''۔ خشوع کی حالت تب بن جاتی ہے جب آپ کی کشتی طوفانوں میں ڈوب رہی ہوتی ہے اور ساحل سے دور ہوتی ہے لیکن جب مصیبت دور ہو جاتی ہے اور جب آپ ساحل کے قریب آ جاتے ہیں، خشوع چلا جاتا ہے۔ پھر آپ کہتے ہیں کہ پیر بابا نے بڑا کرم کر دیا میرے اوپر۔ یا پیر میں نے کہا اور کشتی ادھر آنے لگ گئی گو اس وقت صرف اللہ یاد آ رہا ہوتا ہے۔ بچے اگر اپنے دماغ میں لائیں کہ جو امتحانوں سے پہلے ان کے اوپر گذر رہی ہوتی ہے اور پھر وہ ارادے کرتے ہیں کہ اس دفعہ نہیں پڑھا تھا آئندہ میں پڑھتا رہوں گا، میں محنت کرتا رہوں گا۔ لیکن امتحان گذرنے پر پھر وہی پڑھائی سے دوری۔

## قبولیت دعا

انسان تب متقی بنتا ہے جب وہ آسائشوں کے وقت بھی خدا کو یونہی یاد کرے جیسے تکالیف میں وہ یاد کرتا ہے۔ تکالیف میں تو ہر کوئی رو رو کر دعائیں کرتا ہے۔ کیا ہم کبھی ایسے سجدے بجا لاتے ہیں کہ آسائش میں بھی رونا آ جائے۔ اور ان تکالیف کا علاج مسیح موعود نے اپنے شعر میں سمیٹ دیا:

**آنکھ کے پانی سے کرو کچھ اس کا علاج**
**آسماں غافلو اب آگ برسانے کو ہے**

آپ کے اردگرد آگ برس رہی ہے۔ ڈرون آتے ہیں تو وہ آگ برسا جاتے ہیں۔ اور یہ جنگیں آگ سے بھی زیادہ بدتر جنگیں ہیں۔ یہ ہمارے اردگرد ہیں لیکن ہم آنکھ کے پانی سے علاج کرنے کی طرف توجہ نہیں دے رہے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب اس زمانے کی بیماریوں کے معالج تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ کونسی دعا دینی ہے اور انہوں نے آنکھ سے پانی سے علاج کرنے کا جو یہ نسخہ دیا یہی کام آتا ہے۔ اب آپ نے نمازوں عبادات، دعاؤں میں رو رو کر دعائیں مانگنے پر بہت زیادہ زور دیا اور میں ان کی کتاب ''نصرت الحق'' کے صفحہ نمبر **24** پر لکھا ہے۔ میں سناتا ہوں یہ توجہ کے لائق ہے:

''ہاں کامل طور پر پاک ہونے کے لئے صرف معرفت ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دردِ دعاؤں کا سلسلہ جاری رہنا بھی ضروری ہے کیونکہ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے اس کے فیوض کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایسی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے جو گریہ اور بکاہ اور صدق وصفا اور درد دل سے بھری پڑی ہوں تم دیکھتے ہو کہ شیر خوار بچہ اگر چہ اپنی ماں کو خوب شناخت کرتا ہے اور اس سے محبت بھی رکھتا ہے پھر بھی ماں کے دودھ اترنے کے لئے شیر خوار بچوں کا رونا بہت دخل رکھتا ہے۔ ایک طرف بچہ دردناک طور پر بھوک سے روتا ہے اور دوسری طرف اس کے رونے کا

ماں پر اثر پڑتا ہے اور دودھ اتر تا ہے پس اس طرح خدا تعالیٰ کے سامنے ہر ایک طالب کو اپنی گریہ زاری، روحانی بھوک پیاس کا ثبوت دینا چاہیے تا کہ وہ روحانی دودھ اترے جو اس کو سیراب کرے۔ غرض پاک صاف ہونے کے لئے صرف معرفت ہی کافی نہیں بلکہ بچوں کی طرح دردناک گریہ زاری ضروری ہے اور ناامید مت ہوں اور یہ خیال مت کرو کہ ہمارا نفس گناہوں سے بہت آلودہ ہے۔ ہماری دعائیں کیا چیز ہیں اور کیا اثر رکھتی ہیں۔ کیونکہ انسانی نفس جو دراصل محبت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا وہ اگرچہ گناہ کی آگ سے سخت مشتعل ہو جائے پھر بھی اس میں ایک ایسی قوت توبہ کی ہے کہ جو اس آگ کو بجھا سکتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک پانی کو کیسا ہی آگ سے گرم کیا جائے مگر تاہم جب آگ پر اس کو ڈالا جائے تو وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔

جب رونا قبولیت دعا کا اہم معیار بنا دیا تو ضروری ہے کہ ہم سمجھیں کہ رونا کیوں ضروری ٹھہرایا گیا۔ خلاصہ کے طور پر یہ سمجھنا چاہیے کہ آنسو تین قسم کے ہوتے ہیں یعنی ایک آپ کی آنکھ کو گیلا کرنے کے لئے، دوسری قسم جب آپ کی آنکھ میں کوئی تنکا یا کوئی اور چیز پڑ جائے۔ تیسری قسم وہ آنسو ہوتے ہیں جو جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں ان کو اچھے آنسو کہتے ہیں کیونکہ یہ آپ کے اندر کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان آنسوؤں کی اقسام بھی مختلف ہوتی ہیں۔ دھونے والے آنسو 98% پانی ہوتے ہیں لیکن جو جذبات کے ساتھ وابستہ آنسو ہوتے ہیں ان کی ساخت بالکل مختلف ہوتی ہے ان میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو خارج ہونے کی وجہ سے آپ کے دماغ کے اثر میں آپ کے درد کو دور کر دیتی ہیں۔ اس میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جس کا سب سے زیادہ حصہ Prolactin ہوتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس سے ماں کا دودھ خارج ہوتا ہے۔ جب بچہ روتا ہے اس میں بھی اچھے آنسو ہوتے ہیں جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ رونے دھونے میں تو آنسو آئیں گے، وفات ہو گئی، بیماری ہو گئی لیکن آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جب خوشی آتی ہے، انعام ملتے ہیں تو انعام لینے والے کھڑے ہو کر رونے لگ جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دماغ سے ایسی چیز خارج ہوتی ہے کہ جس کے اثر سے آپ کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

## ادائیگی نماز

اس بارہ میں جو مضمون میں نے پڑھے ان میں جو چیز میری توجہ کی باعث بنی وہ یہ تھی کہ جب آپ کسی کے ساتھ کوئی بات نہایت مخلصانہ طریقے سے کریں، آپ دل سے کسی سے بات کریں تو بھی آپ کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں ایسے ہی جب آپ کسی کی مکمل اطاعت میں بات کریں اور وہ اتنی بڑی ہستی ہو تو آپ کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ جب ہم اس کی توجہ پانے کے لئے اس کو توجہ دیں جس کو کہا گیا کہ یوں نماز ادا کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ یہ چیز تب ہی ہو سکتی ہے جب آپ نہایت مخلصانہ طریقے سے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کے آگے مکمل اطاعت کا جذبہ لے کر کھڑے ہوں تو پھر ان آنسوؤں نے آنا ہی آنا ہے۔ اور وہ بہت بڑی مقدار میں گرتے ہیں۔ آپ سنتے ہیں کہ فلاں بزرگ جب نمازیں ادا کرتے تھے تو ان کی داڑھی گیلی ہو جاتی تھی وہ فرش گیلا ہو جاتا تھا جس مٹی پر وہ نماز پڑھتے وہ کیچڑ بن جاتی تھی۔ اس سے ان آنسوؤں کی مقدار اور ان کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کو دیکھ کر نماز ادا کرتے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے جب مچھلی کے پیٹ میں پورے جذبہ دِل سے اللہ سے دعا کی ''کہ مجھے چھٹکارا دے مچھلی کے پیٹ کے اندر سے، تو بہت پاک ہے میں بہت گنہگار ہوں'' اور اپنا سر جھکا دیا اس ہستی کے آگے۔

اگر ہم دیکھیں تو ہمارے حالات بھی کچھ مختلف نہیں ہیں۔ ہم بھی اس وقت بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ یہی سمجھ لیں کہ مچھلی نے ہمیں کھا رکھا ہے، ایسے فتوے اور اصول اس ملک میں بنائے گئے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو آزاد کہتے ہوئے بھی آزاد نہیں محسوس کرتے، مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتے اور جو حق ہمیں ملنا چاہیے وہ حق ہمیں نہیں مل رہا۔ تو یہ Situation کچھ مختلف نہیں ہے۔ جب تک ہم خدا سے فریادیں نہیں کریں گے، اور جب تک ہم حضرت یونس علیہ السلام کی طرح دل سے دعائیں نہیں کریں گے تو ہم اس مچھلی کے پیٹ میں ہی رہیں گے۔

میرا آپ سب کو آج کے اس دعائیہ کے دن پیغام ہے کہ ہم دعائیہ کے لئے آئے ہیں تو اس دعائیہ سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے گرم گرم بستر چھوڑ کر نمازوں میں آئیں اور تہجد پڑھنے کی عادت ڈالیں اور ہم یہ ماحول پیدا کریں کہ ہم خدا کے آگے جھکے ہوئے ہیں اور اس کی پاکیزگی بیان کر کے اپنی کمزوریوں کی معافی مانگ رہے ہیں اور خدا تعالیٰ یقین دیتا ہے کہ وہ معاف کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری اس حالت پر رحم کرے اور ہماری اس دعا کو قبول فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

# ”توہین رسالت کی سزا“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور تاریخ کے آئینے میں

از: محترم اطہر رسول صاحب

اس موضوع کا خیال پانچ بچوں کی ماں دیہاتی عیسائی خاتون آسیہ بی بی کو توہین رسالت کے جرم میں شیخوپورہ کی ماتحت عدالت سے سزائے موت پانے اور اس مسئلے کو اجاگر کرنے پر صوبائی گورنر سلمان تاثیر کے قتل سے ذہن میں پیدا ہوا۔

آگے بڑھنے سے قبل ہم اس وقت ملک میں رائج توہین رسالت قانون کے حوالے سے کچھ جانتے ہیں۔ مذہب کو سیاست کے لئے استعمال کرنے کی پالیسی کے تحت جنرل ضیاء الحق نے 1986ء میں پاکستان پینل کوڈ میں دفعہ 295-C کا اضافہ کر کے قانون توہین رسالت کو نافذ کر دیا اور اس جرم کی سزا موت یا عمر قید تجویز کی۔

اکتوبر 1990ء میں وفاقی شرعی عدالت نے حکومت کو حکم دیا کہ اس جرم کی سزا صرف موت ہے اور عمر قید کی متبادل سزا غیر اسلامی ہے لہذا اسے قانون سے حذف کیا جائے۔ نواز شریف حکومت نے 1991ء میں اس حوالے سے ایک ترمیمی بل ایوان میں پیش کیا جو 1995ء میں منظور ہو گیا اور اس وقت ملک میں یہی قانون نافذ ہے۔

1927ء میں انڈین پینل کوڈ میں مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کو جرم قرار دیا گیا۔ اس وقت سے 1984ء تک جب پاکستان میں 295-C کو قانون کا حصہ بنایا گیا، توہین رسالت کے صرف دس مقدمات رجسٹر ہوئے جبکہ 1986ء سے اب تک 960 سے زائد افراد کو ملزم نامزد کیا گیا جن میں سے 479 مسلمان، 340 احمدی، 19 عیسائی، 14 ہندو اور 10 دیگر شامل ہیں۔

ان مقدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحفظ انسانی حقوق کے سرگرم رہنما آئی اے رحمٰن کا کہنا ہے کہ ”سیکشن 295-C کے غلط استعمال کے خطرات جلد سچے ثابت ہوئے اور زیادہ تر احمدیوں اور عیسائیوں کے خلاف توہین رسالت کے الزامات کی بوچھاڑ سے لگا کہ یہ قانون وہ جرائم پیدا کر رہا ہے جو پہلے شاذ و نادر تھے۔ اس حوالے سے تین بدنما حقائق کھل کر سامنے آ گئے۔

اوّل۔ اس قانون کو بکثرت کاروباری رقابت، جائیداد ہتھیانے یا کسی ذاتی انتقام کے لئے استعمال کیا گیا۔

دوئم۔ کئی علماء نے بے کس لوگوں کے خلاف FIR درج کروانا ایک منافع بخش کاروبار بنا لیا۔

سوم۔ قدامت پسندوں نے عدالتوں کا گھیراؤ کر کے عدلیہ کو دباؤ میں رکھا۔

اس قانون کے حامیوں کے نزدیک اس قانون کی تنسیخ یا ترمیم ایک ناممکن عمل ہے جس کی کوئی کوشش بھی سخت مزاحمت کا سامنا کرے گی۔ دوسری جانب اس قانون کے ناقدین اس کی تنسیخ چاہتے ہیں یا کم از کم اس پر عمل درآمد کے طریقے کو منصفانہ اور شفاف بنانے کے خواہش مند ہیں۔

توہین سے متعلق قانون کا نفاذ انسانی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں Blasphemy کا لفظ اپنی اصل کے اعتبار سے جن دو یونانی الفاظ سے مل کر بنا ہے ان کے انگریزی میں علیحدہ معنی To injure (نقصان پہنچانا) ہے اور Reputation (شہرت) ہیں۔ مذہبی طور پر یہودیت میں اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ کے خلاف ہرزہ گوئی پر ہوتا ہے اور اس کی سزا سنگسار کیا جانا ہے۔ چنانچہ توریت کے باب احبار میں لکھا ہے ”اور خداوند کے نام پر جو کفر کرے ضرور جان سے مارا جائے ساری جماعت اس کو قطعی سنگسار کرے“ اس قانون کے استعمال کا ایک واقعہ توریت میں یوں بیان ہوا ہے کہ ”ایک شخص کسی سے زمین کا ایک ٹکڑا خریدنے میں ناکام رہا تو اس کی بیوی نے زمین کے مالک کے خلاف سازش کی اور دو افراد کو مقرر کیا کہ وہ اس کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے خدا پر لعنت کی ہے۔ اس گواہی پر لوگوں نے اس شخص کو سنگسار کر کے مار دیا۔ اور زمین کے متلاشی نے

مرنے والے کی زمین پر قبضہ کرلیا''۔

اسی قانون کی آڑ لے کر ہی یہودی فریسیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور انہیں اپنے بارے میں یہ کہنے پر ''تم ابن آدم کو قادرِ مطلق کے دائیں طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے'' انہیں اللہ کی توہین کا مجرم قرار دیا اور قتل کا سزاوار جانا۔ چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ اس پر سردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے اور کہا ''دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟'' انہوں نے جواب میں کہا کہ وہ قتل کے لائق ہے''۔

عیسائیت میں یہودیت کی مانند انسان کی توہین قابل تعزیر جرم نہیں سمجھی گئی تاہم خدا کے علاوہ روح القدس کی توہین کو جرم قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ انجیل لوقا میں لکھا ہے ''اور جو کوئی ابن آدم کے خلاف کوئی بات کہے تو اس کو معاف کر دیا جائے گا لیکن جو روح القدس کے حق میں کفر بکے، اس کو معاف نہ کیا جائے۔''

البتہ قبل از اسلام مذاہب میں صرف ہندومت میں انسان کی توہین کو سزائے موت کا مستحق گردانا گیا جیسا کہ وید منوسمرتی میں لکھا ہے ''اگر ایک شودر ارادتاً کسی پنڈت کی توہین کرے تو بادشاہ کو چاہیے کہ اسے مختلف جسمانی سزائیں بلکہ موت کی سزا دے کر عبرت کا نشان بنا دے''۔

اس حوالے سے قرآن کریم کی تعلیم توریت کی تعلیم سے مختلف ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق۔

عربی زبان میں Blasphemy کے متبادل عام افعال ''سب'' اور ''شتم'' ہیں۔ ''شتم'' قرآن کریم میں بالکل استعمال نہیں ہوا اور ''سب'' صرف ایک بار سورۃ الانعام میں اور وہ بھی اس نصیحت کے لئے کہ ''مشرکوں کے بتوں کو برا نہ کہو'' (آیت 109)۔

مومنوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ کسی مشرک کو از خود یہ موقع فراہم نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ وجود کو جوابی سب وشتم کا نشانہ بنائے۔ چنانچہ سورۃ الانعام میں حکم ہے کہ ''اور تم ان کو گالیاں نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ورنہ وہ دشمنی کرتے ہوئے بغیر علم کے اللہ کو گالیاں دیں گے''۔ (آیت 109)

پھر چونکہ اللہ کی شان میں سب سے بڑی گستاخی اس کا شریک ٹھہرانا ہے اس لئے اس سے روکنے کے لئے بطور انداز تنبیہ سورۃ النساء میں فرمایا: ''یقیناً اللہ معاف نہیں کرے گا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ اور اس کے علاوہ سب کچھ معاف کر دے گا جس کے لئے وہ چاہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ افتراء کیا ہے (آیت 49)

یوں مختصراً توہین کے حوالے سے قرآنی تعلیم یہی ٹھہرتی ہے کہ ترغیب، تحریص اور انداز کے ذریعے لوگوں کو اس سے روکا جائے اور اگر کوئی اپنی بدبختی کے ہاتھوں اللہ کے کسی رسول یا خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرے تو اس معاملے میں صبر، درگذر، اعراض اور اجتناب کر کے اسے حوالہ خدا کیا جائے جو خود اس جرم کی سزا دے گا۔

قرآن کریم میں انبیاء کے مخاطبین کے تین گروہوں کفار، منافقین اور مومنین کا ذکر ہے۔ کافر نبی کے انکاری ہوتے ہیں اور اسے اور اس کے ماننے والوں پر ظلم و زیادتی کی راہ اپناتے ہیں۔ کفار نے آنحضرت صلعم کی ہر طرح سے توہین کی۔ آپ کو برا بھلا کہا، نام بگاڑا، پتھر مارے، سر مبارک پر راکھ پھینکی اور جسم مبارک پر بحالت سجدہ اونٹ کی آلائش رکھی۔ ان توہین کرنے والوں کے لئے قرآن کریم میں کوئی سزا بیان نہیں ہوئی۔ اور صرف انہیں درگذر کرنے، اعراض کرنے، معاف کرنے اور صبر کرنے کی تعلیم دی گئی۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا: ''عفو اختیار کرو اور معروف کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کر'' (آیت 200)

دوسرا گروہ منافقین حالت کفر اور ایمان کے بین بین ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے وقت منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی تھا جس نے آنحضرت صلعم کی توہین میں ایک بہت بری بات کہی جسے قرآن کریم نے بھی دوہرایا۔ لیکن ان منافقین کے لئے بھی کسی سزا کا حکم نہیں دیا گیا اور آنحضرت صلعم کو سورۃ الاحزاب میں یہی ارشاد ہوا کہ ''ان کافروں اور منافقین کی ایذا دہی کو نظر انداز کر دے اور اللہ پر توکل کرے'' (آیت 43:33) سورۃ الفجر میں یہ بھی فرمایا کہ ''یقیناً ہم استہزاء کرنے والوں کے مقابل پر تجھے بہت کافی ہیں''۔ (آیت 15)

تیسرا گروہ مومنین کا ہے۔ ان میں ہر طرح کے لوگ ہیں وہ بھی جن کے بارے میں سورۃ التوبہ میں گواہی دی گئی کہ اللہ ان پر راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی

ہیں۔(آیت 100) اور وہ بھی جن کے بارے میں سورۃ الحجرات میں فرمایا کہ ’’یہ تو کہو کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا‘‘ (آیت 15) یہ گروہ بعض اوقات احکام الٰہی پر عمل میں سستی کرتا اور اس طرح نافرمانی کر کے گستاخی کا مرتکب ہوتا۔ ان پر بعض دفعہ آنحضرت صلعم ناراضگی کا اظہار بھی فرماتے جیسے ایک بار نماز فجر میں نہ آنے والوں پر آگ کی سزا کا ارادہ ظاہر کیا لیکن عملاً انہیں بھی معاف کیے رکھا۔

قرآن کریم میں ان تین گروہوں میں سے کسی بھی توہین رسالت کی کوئی دنیاوی سزا کا حکم نہیں دیا گیا اور سورۃ الاحزاب میں ان سب کے لئے ایک ہی سزا مقرر فرمائی ہے کہ ’’یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا میں بھی لعنت ڈالی ہے اور آخرت میں بھی اور اس نے ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے‘‘۔ (آیت 58)

سیرت النبی کا مطالعہ کرنے والا قاری بخوبی جانتا ہے کہ آنحضرت صلعم سراپا رحمت تھے۔ آپ کو دکھ دینے، ستانے اور ایذا دینے والے بھی اس رحمت کے طفیل نہ صرف کسی سزا کے موجب نہ ہوئے بلکہ بسا اوقات انعام و اکرام سے بھی نوازے گئے۔

گستاخی اور توہین کے بدترین مرتکب عبداللہ بن ابی کو بھی آنحضرت صلعم نے کوئی سزا نہیں دی بلکہ اس پر بھی رحمت کی نظر رکھی۔ اور جب یہ شخص فوت ہوا تو آپؐ نے حضرت عمر فاروقؓ کی گذارش کے باوجود اس کا جنازہ پڑھایا۔ اپنی توہین کرنے والوں سے آنحضرت صلعم کا یہ سلوک جہاں آپ کی رحمت کا آئینہ دار تھا، وہاں ان قرآنی آیات پر بہترین عمل تھا جن میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عفو و درگذر کا حکم دیا تھا۔ اور تیسری طرف یہ امت مسلمہ کے لئے اس قسم کے گستاخوں سے نمٹنے کے لئے عظیم الشان اسوہ حسنہ تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے نازل ہونے والے احکامات مومنین کے لئے بھی تھے۔

اس اسوہ حسنہ کے برعکس بعض ایسی روایات بھی پیش کی جاتی ہیں کہ گویا آنحضرتؐ نے بعض افراد کو اس کے لئے قتل کروا دیا کہ انہوں نے آپؐ کی شان میں گستاخی کی تھی یا بعض صحابہ کرامؓ نے از خود یا آپؐ کی اجازت سے بعض ایسے گستاخوں کو قتل کیا اور آپؐ اس پر راضی رہے۔

ان واقعات کی روایت کے مسلمہ اصولوں کے تحت کیا حقیقت ہے؟ یہ ایک علمی بحث ہے۔ جس میں پڑے بغیر یہ سوال نمایاں طور پر درپیش ہیں:

(اوّل) کیا آنحضرتؐ کوئی ایسا طرز عمل اختیار کر سکتے تھے جو کہ ان احکامات الٰہی کے برخلاف جو تواتر سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان حالات میں اعراض، درگذر، عفو اور صبر کرنے کے لئے دیئے۔

(دوم) کیا آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ میں ایسا متضاد رویہ ممکن ہے کہ اپنی پوری حیات طیبہ میں آپؐ بیشتر گستاخوں کے ساتھ رحم دل، شفیق اور معاف کرنے والے وجود رہیں لیکن چند افراد سے آپؐ اس کے برخلاف سلوک فرمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان چند واقعات میں آنحضرت صلعم کے سخت رویہ کا سبب توہینِ رسالت نہیں بلکہ بعض ایسے دیگر جرائم تھے جو نظم حکومت یا مسلمانوں کے مجموعی وقار کو نقصان پہنچانے کے سبب قابل تعزیر تھے۔

اس تمام معاملے میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کا یہ قول بہترین رہنما ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں ’’آپ نے کبھی اپنی ذات کی خاطر اپنے اوپر ہونے والی کسی زیادتی کا انتقام نہیں لیا‘‘۔

قرآنی تعلیم کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دور میں آنحضرتؐ کی توہین کرنے والوں سے اعراض کا طریق رکھا۔ ایک آریہ پنڈت لیکھرام جو آنحضرتؐ کے خلاف دشنام طرازی کرتا تھا ایک سفر میں آپ کو ملا اور دو بار آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا اور بعد میں فرمایا ’’ہمارے آقا کو تو گالیاں دیتا ہے اور ہمیں سلام کہتا ہے‘‘۔

آریوں کی منعقدہ ایک مجلس میں جس میں آپ کے ساتھیوں کو دعوت دے کر بلایا گیا تھا، مقررین نے آنحضرتؐ کے بارے میں نازیبا کلمات کہے۔ آپ کو علم ہوا تو آپ ساتھیوں پر سخت ناراض ہوئے کہ اس مجلس سے کیوں فوراً اٹھ کر نہیں آئے۔

اس بارے میں آپؑ کے دلی احساسات کا ان الفاظ میں بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے:

’’جو لوگ بے خوف ہو کر ہمارے بزرگ نبی آنحضرتؐ کو برے الفاظ میں یاد کرتے اور آپؐ پر ناپاک تہمتیں لگاتے اور بدزبانی سے باز نہیں آتے ان سے ہم

کیونکر صلح کریں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کر سکتے ہیں لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کر سکتے جو ہمارے پیارے نبیؐ پر جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارے ہیں، ناپاک حملے کرتے ہیں۔(پیغام صلح)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:''اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے جانی اور دلی عزیزوں کو دنیا کے عزیز ہیں، ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے اور ہمیں بڑی ذلت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کر لیتے تو واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دکھتا جو ان گالیوں اور اس توہین سے جو ہمارے رسول صلعم کی گئی، دکھا''۔

(آئینہ کمالات اسلام)

انگریزی حکومت کے دور میں جب پادریوں نے برصغیر عیسائیت کے پھیلاؤ کے لئے خصوصی مہم شروع کی تو دیگر عربوں کے ساتھ آنحضرتؐ کے خلاف بھی کھڑے اور غیر مستند اسلامی کتب میں سے کمزور روایات کی بنیاد پر طعن و تشنیع کا بازار گرم کر دیا تو موقع دیکھ کر آریہ اور ہندو پنڈت بھی میدان میں کود پڑے۔

1897ء میں ایک عیسائی نے ایک اشتعال انگیز کتاب ''امہات المومنین'' شائع کی تو فروری 1898ء میں ایک اشتہار کے ذریعے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انگریز حکومت کو ایک تجویز پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے نزدیک ایسی فتنہ انگیز تحریروں کو روکنے کے لئے بہتر طریق یہ ہے کہ گورنمنٹ عالیہ یا تو یہ تدبیر کرے کہ ہر ایک فریق مخاطب کو ہدایت فرمادے کہ وہ اپنے حملہ کے وقت تہذیب اور نرمی سے باہر نہ جاوے اور صرف ان کتب کی بناء پر اعتراض کرے جو فریق مقابل کی مسلم اور مقبول ہوں اور اعتراض بھی وہ کرے جو اپنی مسلم کتابوں پر وارد نہ ہو سکے۔ اور اگر گورنمنٹ عالیہ یہ نہیں کر سکتی تو یہ تدبیر عمل میں لاوے کہ یہ قانون صادر فرمادے کہ ہر ایک فریق صرف اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے اور دوسرے فریق پر ہرگز حملہ نہ کرے(مجموعہ اشتہارات جلد سوم)

آنحضرت صلعم کی سچائی اور آپ کی پاکیزہ زندگی پر کئے جانے والے تمام ناپاک اعتراضات کا حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں شافی جواب تحریر فرمایا ہے۔ بعض مخالفین کی افتادِ طبع کے پیش نظر آپ نے الزامی جواب بھی دیئے۔ آپ کا یہ علم کلام اس باب میں گویا حرف آخر ہے اور اس موضوع پر معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ۔

حضرت مسیح موعودؑ نے صرف دشمنان اسلام کے آنحضرت صلعم پر ناپاک اعتراضات کے جوابات نہیں دیئے بلکہ آپ نے اپنی تحریرات اور ملفوظات میں آنحضرت صلعم کی سیرت طیبہ کے حسن کو خوب نکھار کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا اور ایسی جماعت قائم فرمائی جو آپ کے بعد آنحضرت صلعم کی عزت وعظمت کے قیام کے لئے کوشاں ہے۔

یہاں یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ جس طرح نافرمان بیٹے اپنی حرکتوں کی وجہ سے اپنے والد کی بدنامی کا باعث ہوتے ہیں، اسی طرح آنحضرتؐ کے نام لیوا اس وقت جس طرزِ زندگی کو اپنائے ہوئے ہیں وہ اس تعلیم اور طریق کے مطابق نہیں ہے، جو آپؐ نے عطا فرمایا۔ آپؐ نے امن وآشتی کی تعلیم دی، مذہبی رواداری کی عظیم مثالیں قائم فرمائیں، تعاون اور امداد باہمی کا درس دیا مگر آپؐ کے نام پر ملک میں فساد، دہشگردی اور خودکش حملوں کے ذریعے بے گناہ انسانوں کی موت کا سامان عام ہے۔ تعصب اور تنگ نظری کا چلن ہے۔ رواداری کا فقدان ہے اور عقیدے کا اختلاف اہلیت پر مقدم اور حق چھین لینا جائز قرار پایا ہے۔ آپؐ نے ہر مومن مرد و عورت کو حصول علم کا حکم دیا جبکہ ملک میں جہالت عام ہے۔ آپؐ نے انصاف کی تعلیم دی جبکہ ملک میں انصاف ناپید ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ غربت انسان کو کفر کے قریب کر دیتی ہے مگر ملک کی چالیس فیصد آبادی غربت کی آخری سطح سے بھی نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔ باقی ضروریات زندگی تو ایک خواب ہی ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلعم کے نام لیواؤں کی یہ حیات، ناانصافی اور غربت آپ کی توہین نہیں؟

آنحضرت صلعم امن وسلامتی کے پیامبر تھے، آپ کو مجبوراً دشمنوں کے حملوں کے جواب میں جنگی کارروائی کرنی پڑی ورنہ آپ نے کسی کے خلاف از خود تلوار نہیں اٹھائی۔ آپؐ کی پیش خبری کے عین مطابق ظاہر ہونے والے امام مہدی اور مسیح موعود نے تلوار کے جہاد کے التواء اور دنیا کو قلم سے فتح کرنے کا اعلان فرمایا۔ یہ خدائی فیصلہ تھا اور اس پر عمل دنیا کے امن وسکون کا ضامن۔ اور یہی وہ طریق تھا

کہ جو آنحضرتؐ پر بے جاالزام تراشی کرنے والوں کا منہ بند کر کے توہین رسالت کا سلسلہ مسدود کرسکتا تھا لیکن افسوس اس آسمانی فیصلے کی خلاف ورزی کی گئی اور جنگ کی راہ اپنائی گئی جس نے تشدد، خودکش حملوں، بم دھماکوں اور قتل وغارت کا بازار گرم کر کے دشمنوں کو اسلام، مسلمانوں اور پیغمبر اسلام آنحضرت صلعم کے خلاف زبان درازی اور توہین پر اکسایا، اس متشدد راستے کو ترک کرنا بھی توہین رسالت کی ان کوششوں کے خاتمے کی ایک راہ ہے۔

توہین رسالت کے واقعات پر غم وغصے کا اظہار اور جان لینے اور دینے کی باتیں اس محبت کا سبب ہوتی ہیں جو مومن اپنے دل میں اپنے پیارے رسولؐ سے رکھتے ہیں۔لیکن اس طرح محبت کے اظہار میں کئی پہلو تشنہ عمل رہ جاتے ہیں۔محبت تو اپنے آپ کو محبوب کے رنگ میں ڈھالنے کا نام ہے۔انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا عبد بننے کے لئے تخلیق فرمایا اور اسے اللہ کے رنگ اپنانے کا حکم دیا ۔آنحضرت صلعم اس سفر کے وہ مسافر تھے جو قرب الٰہی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچے اور صفات الٰہیہ کے مظہر اتم ٹھہرے۔

ہم جو ان کے نام لیوا ہیں اور آپ سے دلی محبت رکھتے ہیں۔ہمارے لئے یہی راستہ ہے کہ ہم اپنی محبت کے اظہار میں آنحضرت صلعم کے اعلیٰ اخلاق اور اسوہ حسنہ کو اپنائیں اور انہیں اپنی زندگی میں جاری کر کے خود بھی روحانی ترقی حاصل کریں۔اور توہین رسالت کی ہر بے جا کوشش پر اسی محبت کے ناطے آپ بکثرت دُرود پڑھ کر اپنے درد ورنج کو بھلانے کی کوشش کریں۔

حضرت مسیح موعودؑ کا یہ ارشاد ہمارے لئے نشان راہ ہے جیسا کہ آپ کشتی نوح میں فرماتے ہیں:

''تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔''

آخر میں آنحضرت صلعم کی محبت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند اشعار پیش ہیں۔

زندگی بخش جام احمد ہے کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے
لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا سب سے بڑھ کر مقام احمد ہے
باغِ احمد سے ہم نے پھل کھایا میرا بستاں کلام احمد ہے

# اطلاع

جیسا کہ تمام احباب وخواتین کے علم میں ہے کہ 2014ء میں ''جماعت احمدیہ لاہور'' کے الحمد اللہ 100 سال پورے ہورہے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ان سو سالوں میں احمدیہ انجمن اور اس کے بزرگان نے اشاعت دین کے لئے شاندار خدمات سرانجام دیں ہیں۔ان بزرگان کو اور ان کی خدمات کو زندہ جاوید رکھنا ہماری ذمہ داری ہے کیونکہ تاریخ ہمیشہ مشعل راہ ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں مرکزی انجمن نے تمام بزرگان کے حالات زندگی پر ایک کتاب شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

تمام احباب وخواتین سے درخواست ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے حالات زندگی قلمبند کر کے جلد از جلد مرکزی انجمن کو بھیجیں تا کہ ان کو کتاب میں شامل کیا جا سکے۔

جنرل سیکرٹری
احمدیہ انجمن لاہور

☆☆☆☆

**شبان کارنر**

تاریخ اور حقائق کی روشنی میں

# تصور پاکستان کی تخلیق میں ووکنگ مسلم مشن کا کردار

## چوہدری رحمت علی میں ولولہ انگیز اقدام کی چنگاری مشن ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں پیدا ہوئی!

خواجہ صلاح الدین احمد

(اس مضمون کے مصنف، خواجہ صلاح الدین احمد صاحب، حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم ومغفور، بانی ووکنگ مسلم مشن، انگلستان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ اس زمانہ میں آپ انگلستان میں طالب علم تھے جبکہ چوہدری رحمت علی صاحب بھی تعلیم کی غرض سے انگلستان تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ چوہدری رحمت علی جیسے روشن خیال اور پرجوش نوجوان علامہ اقبال کے آل انڈیا مسلم لیگ کے ۱۹۳۰ء کے اجلاس میں پیش کردہ مسلمانوں کے لئے الگ وطن کے تصور کی بدولت ایک نئے جذبہ سے سرشار تھے۔ تاہم ابھی تک چوہدری صاحب موصوف اس تصور سے صرف ذہنی اور جذباتی حد تک متاثر تھے۔ تاوقتیکہ اس خیال نے ووکنگ مسلم مشن میں منعقدہ ''سنڈے میٹنگ'' میں اتفاقاً ایک ٹھوس شکل اختیار کرلی۔ ان ہفتہ وار اجلاسوں میں مختلف ممالک خصوصاً متحدہ ہندوستان سے آئے ہوئے مسلمان طلباء شامل ہوتے۔ چوہدری رحمت علی صاحب بھی ان میں سے ایک پرجوش طالب علم تھے۔ مندرجہ ذیل مضمون میں خواجہ صلاح الدین احمد صاحب نے پاکستان کے معرض وجود میں آنے کی کہانی کی گمشدہ کڑیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ موصوف انگلستان میں تصور پاکستان کو ایک ٹھوس شکل دینے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے میں بذات خود شامل تھے)۔

روزنامہ ''پاکستان ٹائمز'' کے یوم پاکستان کی خاص اشاعت کے ضمیمہ میں ''ایک فراموش شدہ ہیرو'' (A Forgotten Hero) کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس میں مصنف، مسٹر ایم انور نے چوہدری رحمت علی صاحب کے بارے میں لکھتے ہوئے کچھ ایسے حقائق اور واقعات کا ذکر کیا جو کہ بلاشبہ آنے والی نسلوں کے لئے بہت سود مند ہوں گے اور جن کے نتیجہ میں پاکستان معرض وجود میں آیا اور یہ کہ حقائق کو اصلی اور وسیع تناظر میں پرکھا جاسکے گا۔ مضمون نگار، مضمون کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہے۔

''وہ (چوہدری رحمت علی) ووکنگ میں اس حالت میں دفن ہیں کہ ان کی قبر پر کتبہ تک نہیں لگا ہوا۔ پاکستان کا یہ بیٹا جس نے پاکستان کے لئے جلاوطنی میں جہاد کیا، جلاوطنی میں ہی مردہ پڑا ہے۔ ان کا حق بنتا تھا کہ انہیں سرزمین پاکستان میں باعزت گوشہ نصیب ہوتا۔ کیا ہم اس فراموش شدہ ہیرو کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے کوئی قدم اٹھائیں گے۔ کیا ہم ان کی یاد میں کوئی ایسی یادگار قائم کریں گے جو کہ پاکستان میں ان کے مقام کے شایان شان ہو!''

ان لوگوں کے لئے جو تحریک پاکستان کے پس منظر سے واقف ہیں یہ بات کہ وہ ووکنگ میں مدفون ہیں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ شاہجہان مسجد ووکنگ، انگلستان کا مقدس مقام ہی تھا جہاں پر پہلے چوہدری رحمت علی صاحب کے دل میں تصور پاکستان کے لئے جذبہ جہاد اور مشنریوں والا جوش وخروش جاگا اور ان کے رگ وپے میں ایک خوابیدہ جذبہ شعلہ زن ہوا۔ حتیٰ کہ اس چنگاری سے بھڑکتے ہوئے شعلہ کی روشنی ان لوگوں تک جا پہنچی جو کہ اس تحریک کو اس کے انجام تک بہتر طریقہ سے پہنچا سکنے پر قدرت کی طرف سے مامور تھے۔ پس اگر قدرت کو یہ منظور تھا کہ وہ آخر کار ووکنگ میں ہی اپنی آخری آرام گاہ پائیں تو کم از کم میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ بات بھی معنی خیز ہے کیونکہ وہ تحریک جس کا مقصد پاکستان کا قیام تھا ووکنگ مسجد کے مقدس احاطہ میں ہی شروع ہوئی! وہ ہیرو جو اپنے مقصد کو پہنچ جائے اور اپنے مشن کو مکمل کرلے اسے کسی کتبہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ان سے پہلے بھی کچھ لوگ تھے جن کے نقش قدم پر وہ چلے اور انہیں بھی کتبوں کی ضرورت نہیں۔ ان

کے مشن کی کامیابی ہی ان کا صلہ ہے اور بحیثیت مجاہدین اسلام کے ان کی یادیں ہمیشہ تازہ و سرسبز رہیں گی اور ان کی زندگیاں آنے والوں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں۔ اس لئے چوہدری رحمت علی صاحب کو ایک ''فراموش شدہ ہیرو'' نہیں کہا جاسکتا ان کا نام تاریخ پاکستان میں انمٹ حروف میں کندہ ہو چکا ہے۔

مسٹر انور علی کے مذکورہ بالا مضمون کی ''پاکستان ٹائمز'' میں اشاعت کے بعد ''پاکستان ٹائمز'' کے قارئین کے خطوط کے کالم میں کافی لے دے ہوئی۔ ایک صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ وہ لوگ جنہوں نے چوہدری رحمت علی صاحب کے ساتھ کام کیا تھا دیر ہوئی فوت ہو چکے ہیں مجھے ان باتوں کی اس وقت تردید کرنے کا خیال بھی آیا مگر تردید کرنے سے رکا رہا۔

تب سے بہت سے دوستوں کا جو کہ اصل حقائق سے واقف ہیں مگر اس شخص کی سی ثقاہت نہیں رکھتے جس نے کہ خود ان اجلاسوں میں شرکت کی ہو، اصرار ہے کہ اس زمانے کے ان تمام اجلاسوں کا ریکارڈ مرتب کیا جائے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ یہ حقائق ان لوگوں کی زندگی میں ہی ریکارڈ ہو جائیں جو ان میں سے کسی ایک بھی میٹنگ میں شریک تھے۔ میں نے ووکنگ مسلم مشن کے ساتھ ایک خصوصی تعلق کی وجہ سے ان تمام میٹنگز میں بطور ایک سرگرم رکن کے حصہ لیا جن کے نتیجہ میں آخر کار چوہدری رحمت علی صاحب نے اس مشن کو پورا کرنے کا مشکل بیڑا اٹھایا اور جس کے لئے قدرت نے انہیں پہلے ہی سے چن رکھا تھا۔ خوش قسمتی سے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم میں سے سات اب بھی زندہ ہیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے میدان میں خوب جما ہوا ہے۔ یہ سب لوگ واقعات کے تسلسل میں اگر کوئی خلا دیکھیں تو اسے پر کر سکتے ہیں اور اس بات کا جواب بھی مہیا کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبال، چوہدری رحمت علی صاحب کے لئے ایک جوشیلے اور روح انگیز ہیرو تھے، انہوں نے اس تحریک کو کیمبرج میں کچھ عرصہ قیام کے بعد ۱۹۳۳ء میں ہی کیوں شروع کیا اور اس سے پہلے کیوں نہیں؟ خصوصاً جب وہ اس سے پہلے تو اپنے وطن میں ہی تھے؟

## ووکنگ میں پہلی میٹنگ

یہ ۱۹۳۲ء کی گرمیوں کا ذکر ہے۔ شاید جون یا جولائی کا مہینہ ہوگا۔ کہ چوہدری رحمت علی صاحب جو کہ ان دنوں کیمبرج میں زیر تعلیم تھے۔ اتوار کے دن ووکنگ تشریف لائے۔ ووکنگ مشن میں اتوار کا دن برطانوی مسلمانوں اور دیگر ممالک سے آئے ہوئے مسلمان بھائیوں سے رابطہ پیدا کرنے کا بہترین موقع ہوتا تھا۔ ہمیشہ بعد دوپہر امام صاحب، شاہجہان مسجد میں لیکچر دیا کرتے تھے۔ نماز کے بعد سرسالار جنگ میموریل ہاؤس متصل ووکنگ مسجد میں مہمانوں کا قیام رہتا جہاں رات دیر تک مذہبی بحثیں جاری رہتی تھیں۔ ایسی ہی ایک اتوار کو چوہدری رحمت علی صاحب، مولانا عبدالمجید صاحب، امام مسجد کی خصوصی دعوت پر دن کے کھانے سے ذرا پہلے تشریف لائے تا کہ تمام دن ہمارے ساتھ گذار سکیں۔

چوہدری رحمت علی صاحب کی گفتگو کا صرف ایک ہی موضوع ہوا کرتا تھا۔ لنچ کے لئے ابھی وہ بیٹھے بھی نہ تھے کہ انہوں نے اس موضوع پر گفتگو شروع کر دی اور وہ تھا علامہ اقبال! ان کا واقعی علامہ کے ساتھ قریبی تعلق اور رابطہ رہا تھا اور ایک سچے پیرو کی طرح اس عظیم مفکر کے لئے ان کے دل میں انتہائی جذبہ عقیدت اور محبت موجزن تھی۔ اس عظیم شاعر کے متعلق مسحور کن گفتگو کے دوران انہوں نے علامہ کی اس دلی خواہش پر زور دینا شروع کیا کہ انڈیا میں جہاں مسلمانوں کی اکثریتی آبادی ہے مسلمانوں کے لئے اس خطہ کو ایک علیحدہ وطن ہونا چاہیے۔ چوہدری رحمت علی صاحب بار بار اس بات پر زور دیتے تھے کہ مسلمانان ہند کے مستقبل کا حل اسی منصوبہ میں مضمر ہے۔

تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک کسی بھی مسلمان دانشور نے اس خواب کو عملی شکل دینے کے متعلق کوئی خاص غور و فکر نہ کیا تھا اور اس لئے اب تک یہ صرف ایک خیال اور گفتگو کے موضوع تک ہی محدود تھا اور خطرہ تھا کہ اتنی دیر تک ایک تخیل رہنے کی وجہ سے یہ محض تخیلات کی زینت ہی نہ بن کر رہ جائے۔ ہم سب کو یہ ایک المیہ محسوس ہو رہا تھا کہ جس اہم موضوع پر ہندوستان کے ایک عظیم مسلمان مفکر نے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا تھا وہ اب تک صرف ڈرائنگ روم کی بحثوں تک ہی کیوں محدود تھا حالانکہ برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کے مستقبل کا انحصار اس کی کامیابی یا ناکامی پر تھا۔

گفتگو کے اس مرحلہ پر امام مولانا عبدالمجید صاحب یوں گویا ہوئے:

''بھئی ہم لوگ صرف باتیں ہی کیوں کرتے ہیں اور عملی قدم کیوں نہیں اٹھاتے؟ اگر علامہ اقبال کے پاس اپنی قوم کے لئے کوئی پیغام تھا تو جہاں تک ان کا تعلق ہے انہوں نے قوم کو یہ پیغام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے! اور اگر آپ یہ یقین رکھتے ہیں کہ صرف اسی پیغام میں مسئلہ کا حل موجود ہے تو آپ اس بارے میں کوئی عملی اقدام کیوں نہیں اٹھاتے!''

چوہدری رحمت علی صاحب کے اس استفسار پر کہ کیا کوئی عملی قدم اٹھایا جا سکتا ہے؟ مولانا عبدالمجید صاحب نے میرے والد حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی فوٹو کی طرف اشارہ کیا جو کہ ڈرائنگ روم کی دیوار پر لٹکی ہوئی تھی اور کہا:

''وہی کرو جو انہوں نے کیا! ان کے دماغ میں ایک خیال تھا جس پر وہ یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے دنیا کے ساٹھ کروڑ مسلمانوں کو افسوس بھری نگاہ سے دیکھا اور وہ کس طرح ایک بے چین نیند میں ڈوبے ہوئے ہیں اور مغربی اثرات کس طرح ان کے اندر سرایت کر گئے ہیں اور کس طرح وہ ایک شکست خوردہ ذہنیت میں ڈوبتے جا رہے ہیں اور اپنے شاندار ورثے کو نگاہ سے اوجھل ہونے دے رہے ہیں! چونکہ ان کا دل قرآن کریم کی اعلیٰ تعلیمات اور نبی کریم صلعم پر ایمان سے بھرپور تھا اس لئے انہوں نے عیسائیت کے مرکزی قلعہ پر اسلام کا جھنڈا لہرانے اور تثلیث کو اس کی اپنی زمین پر چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کو یقین تھا کہ اسلام کا ارفع پیغام مغرب سے بلند کرنا ہوگا! انہوں نے اس مرکز کو شروع کیا اور رسالہ ''اسلامک ریویو' جاری کیا جو کہ تمام دنیا کے مسلمان دانشوروں کو وہ بھیجتے تھے!''

برطانوی سرزمین پر ووکنگ میں اسلام کا جھنڈا لہرانے کا خواب اور اس کے لئے پرعزم کوششوں سے اس معرکہ کے طے ہونے کی داستان کو جاری رکھتے ہوئے، مولانا عبدالمجید صاحب نے فرمایا:

''ایک دفعہ ایسی ہی ایک اتوار کے دن مولانا محمد علی جوہر اپنے کئی دوستوں کے ساتھ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب سے ملنے یہاں تشریف لائے۔ گفتگو کے دوران مولانا محمد علی جوہر یکایک اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

''خواجہ! میں تمہاری لائبریری دیکھنا چاہتا ہوں! تمہارا ''اسلامک ریویو' اسلامی دینیات سے اتنا لبریز ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرور آپ کے پاس ایک وسیع لائبریری موجود ہوگی! مجھے اس لائبریری کو دیکھنے کا شوق ہے!

یہ سن کر حضرت خواجہ صاحب تو صرف مسکرا ہی سکتے تھے وہ ان کے ہمراہ ساتھ والے کمرہ میں گئے۔ مگر وہاں تو کوئی لائبریری نہ تھی مولانا نے پوچھا کہ لائبریری کدھر ہے؟ جواباً حضرت خواجہ صاحب نے شیلف سے قرآن کریم کا ایک نسخہ اٹھایا اور فرمایا ''یہ ہے میری لائبریری''

حضرت خواجہ صاحب بڑی تندہی سے کام کرتے تھے جیسا کہ کسان فصل بورہا ہو اور جتنی تیزی سے ممکن تھا بوائی کرتے جاتے تھے تاکہ ان زمینوں پر جو کہ مذہب کے احیاء کے لئے تیار ہیں ان کے لگائے ہوئے پودے جڑ پکڑتے جائیں۔ بے شک ان پودوں نے جڑیں پکڑیں۔ دنیا کے ہر خطہ کے لوگ جہاں کہیں وہ گئے ان کی تقریر سننے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے اور کھلے دل کے ساتھ ان کا استقبال کرتے تھے۔

تو تم ان کی مثال کی کیوں تقلید نہیں کرتے۔ اگر مسلمانان برصغیر کے لئے اس تخیل میں کوئی جان ہے، تو یہ پودا ضرور جڑ پکڑے گا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید آئندہ دس سال تک ایسا ہو'۔

اس تقریر کا چوہدری رحمت علی صاحب پر اثر دیکھا جا سکتا تھا۔ خاموشی سے وہ اپنے دل میں اس پر غور کرتے رہے ان کے جذبات میں تموج پیدا ہوا۔ چند لمحوں بعد وہ بولے:

''لازماً کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے''

مگر اس کو عملی شکل دینے کے لئے اور اس کام میں پہل کرنے کی خاطر انہیں ساتھی کارکنوں کی مدد درکار ہوگی۔ کام کا یہ حصہ امام صاحب کے بس کا نہ تھا اس لئے میں نے خود کو اس کام کے لئے رضا کارانہ طور پر پیش کیا۔ میں نے رائے دی کہ اگلے اتوار ووکنگ میں پھر ایک میٹنگ رکھی جائے اور وعدہ کیا کہ میں کچھ اور دوستوں کو بھی اس تقریب میں مدعو کروں گا۔

شیخ محمد جمیل (خلف الرشید خان بہادر شیخ نور الٰہی صاحب) اور خان محمد اسلم خٹک (خلف الرشید مرحوم خان بہادر قلی خان) دونوں آکسفورڈ میں ایم اے کے

طالب علم تھے اور ۴ہک روڈ سربیٹن (یہ قصبہ ووکنگ سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر تھا) میں اس زمانہ میں رہائش پذیر تھے۔ دونوں کے میرے ساتھ مشفقانہ مراسم تھے اور دونوں سے اس اہم مقصد کے لئے مدد اور پشت پناہی کرنے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اس دن چوہدری رحمت علی صاحب کی رخصتی سے قبل ہی فون پر یہ طے ہوگیا کہ وہ دونوں بھی اگلے اتوار ووکنگ میں کھانے پر آئیں گے۔ اس دن چوہدری رحمت علی صاحب شام کی ٹرین سے ووکنگ سے واپس ہوئے تو وہ تخیل پاکستان کو ایک عملی شکل دینے کا عزم اور اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کرنے کا مصمم ارادہ ساتھ لے کر لوٹے۔

اسی اتوار کو کشمیر کے رہنے والے ایک پروفیسر صاحب بمعہ اپنی فیملی کے بھی اس مجلس میں موجود تھے گو مجھے ان کا نام یاد نہیں رہا۔ یہ ان کی مسجد میں پہلی آمد تھی۔ اس معاملہ میں ان کی دلچسپی اتنی گہری تھی کہ وہ اگلے اتوار بھی تشریف لائے اور پھر سربیٹن میں اگلی اور پھر فائنل میٹنگ میں بھی۔

## ووکنگ میں دوسری جنگ

**اگلی میٹنگ** جو اگلی اتوار کو ووکنگ مسجد میں منعقد ہوئی خاصی اہم تھی کیونکہ اب ہم اس تخیل کے صرف قابل عمل بنانے پر غور کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ اسے ایک فوری ٹھوس عملی شکل دینے کے لئے اکٹھے ہوئے تھے۔ اس دوسری میٹنگ میں جو لوگ شریک ہوئے ان میں مولانا عبدالمجید صاحب، چوہدری رحمت علی صاحب، ایک اور شخص جو کہ بعد میں بھی چوہدری صاحب کے اس مشن میں شریک کار رہے اور جن کا نام یاد نہیں، شیخ محمد جمیل صاحب، خان محمد اسلم خٹک صاحب، کشمیر کے رہنے والے پروفیسر صاحب اور خاکسار شامل تھے۔

شیخ محمد جمیل صاحب اور محمد اسلم خٹک صاحب دونوں بہت خوش تھے کہ اس تحریک کو آگے بڑھانے میں کام کی ابتدا ہو رہی ہے اور اپنا مکمل تعاون دینے کے لئے تیار تھے۔ تاہم انہوں نے نشان دہی کی کہ انگلستان میں موجود مسلمان طلباء کسی بھی قومی مفاد کے مسئلہ کے لئے جذبہ اور مالی قربانی کے لئے تیار تو ہوتے ہیں۔ مگر پردیس میں ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ سوائے اپنی تعلیم کے اور کسی چیز کے لئے ان کے پاس نہ وقت ہوتا ہے اور نہ ہی وسائل۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اس تحریک کے بیڑے کو پار لگانے کے لئے تمام بوجھ چوہدری رحمت علی صاحب کو خود ہی اٹھانا پڑے گا۔

اس میٹنگ میں مندرجہ ذیل فیصلے ہوئے:

(۱): کہ تحریک چوہدری رحمت علی کیمبرج سے شروع کریں۔

(۲): کہ وہ ایک ماہانہ پمفلٹ شائع کرنا شروع کریں تا کہ ہر جگہ جہاں ممکن ہو اس تحریک کی پبلسٹی اور پروجیکشن ہوسکے۔ میں نے حاضرین جلسہ کو ووکنگ مسلم مشن گزٹ کی ایک کاپی دکھائی جس میں سرورق پر ہی دنیا کا نقشہ تھا اور ووکنگ کا مقام اس نقشہ پر ایک مینار سے آراستہ کیا گیا اور میں نے تجویز دی کہ اس پمفلٹ پر اسی طرح ایک انڈیا کا نقشہ سفید رنگ میں ہونا چاہیے۔ وہ علاقے جو مسلمانوں کے لئے علیحدہ کئے جائیں سبز رنگ میں ہوں۔ گویا یہ سرورق خود تحریک کے مقصد کی منہ بولتی تصور ہوگا اور اس طرح ہمارا پیغام براہ راست لوگوں تک پہنچائے گا۔

(۳): اس بات پر بھی اتفاق رائے ہوا کہ میں ''اسلامک ریویو'' کے خریداروں کی فہرست چوہدری صاحب کو مہیا کروں گا اور جن میں سے اکثریت چونکہ مسلمان دانشوروں کی ہے جو کہ تمام برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے یہ لوگ پمفلٹ کی ترسیل کے لئے نہایت موزوں رہیں گے۔

(۴): کہ ان پمفلٹس کی کثیر تعداد ووکنگ میں عیدین اور عید میلاد النبیؐ کی تقریبوں پر تقسیم کے لئے تیار رہنی چاہیے۔

(۵): یہ بھی متفقہ فیصلہ ہوا کہ میں چوہدری صاحب کو انگلستان میں ان مسلمانوں کی فہرست مہیا کروں گا جن کے نام اور پتہ جات ووکنگ میں تقریبات میں مدعو کرنے کے لئے دفتر میں محفوظ رکھے جاتے ہیں۔

میٹنگ رات دیر گئے تک جاری رہی اور بعض شرکاء نے تو گھر واپسی کی آخری ٹرین پکڑی۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ایک تیسری میٹنگ بلائی جائے جس میں:

(۱): مسلمان علاقوں پر مبنی خطہ کا نام سوچا جائے۔

(۲): اس تحریک کو باقاعدہ شکل دی جائے۔

(۳): کیونکہ اب یہ معاملہ ایک سیاسی مسئلہ بن چکا ہے اور ایک سیاسی جماعت کی سٹیج پر پہنچ گیا ہے اس لئے اب اگلی میٹنگ ۴ہ۔ بک روڈ، سربیٹن میں ہونی چاہیے جہاں شیخ محمد جمیل صاحب اور اسلم خٹک صاحب میزبان ہوں گے۔

## سربیٹن میں منعقدہ تیسری میٹنگ

اس تیسری میٹنگ میں گذشتہ میٹنگز میں شریک ہونے والوں میں سوائے مولانا عبدالمجید صاحب کے سب نے شرکت کی اور ان کے علاوہ خواجہ عبدالرحیم صاحب بارایٹ لاء اور عنایت اللہ صاحب نے بھی شرکت کی۔

اس میٹنگ میں چوہدری رحمت علی صاحب کو باقاعدہ طور پر تحریک چلانے کا کام تفویض کیا گیا۔ یہ میٹنگ اس لئے بھی اہم ہے کہ لمبی بحث کے بعد خواجہ عبدالرحیم صاحب نے اس خطے کا نام ''پاکستان'' تجویز کیا۔ یہ نام دیگر مجوزہ ناموں مثلاً اسلام آباد، مسلم آباد وغیرہ کی بجائے تمام شرکاء نے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔

یہ نام اس لئے نہیں چنا گیا کہ اس نام میں پاکستان پر مشتمل علاقوں کے پہلے حروف پائے جاتے تھے بلکہ لفظ ''پاک'' بمعنی پاکیزگی کی وجہ سے پسند کیا گیا اور یہ کہ خدا کے حضور حاضر ہونے سے پہلے پاکیزگی لازمی ہوتی ہے۔ اسلام میں لفظ ''پاک'' کا مفہوم اعلیٰ ترین صفائی کا ہے۔ یہ وہ پاکیزگی ہے جو انسان کو ناپاکیزگی سے ممیز کرتی ہے اور ہندوؤں کے چھوت چھات کے جنوں سے ہٹ کر ایک اعلیٰ اور ارفع تصور ہے! ''پاکستان'' کا نام گویا پاکیزگی اور طہارت کا دعوت نامہ ہے ایسی جگہ جہاں مسلمان خدا کے سامنے تمام پاکیزگی اور انکساری کے ساتھ حاضر ہوسکیں گے اور اگر خدا تعالیٰ نے انہیں یہ خطہ بطور انعام عطا کیا تو وہ پوری کوشش کریں گے کہ دین اسلام پر عمل پیرا ہوں! اسی بات پر میٹنگ اختتام کو پہنچی!

بعد میں بھی تمام بوجھ، تمام کام اور تمام کامیابی چوہدری رحمت علی صاحب کا کارنامہ تھا۔ جہاں کہیں بھی ان پمفلٹوں کو بھیجنا ہوتا وہ بھیجے جاتے جہاں کہیں ان کا بانٹنا لازمی ہوتا وہ خود بمعہ اپنے معاونین اور دوستوں کے بانٹنے کے لئے موجود ہوتے۔ وہ نہ جانتے تھے کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی طرح وہ کسی دوسرے آنے والے کے لئے پیش خیمہ تھے جو بالآخر اپنی تمام شان و شوکت میں آیا۔ پاکستان کا پرچم اٹھایا اور اسے اس سرزمین میں گاڑ دیا جس کا اس نے اپنے اعلان میں ''پاکستان'' کے طور پر مطالبہ کیا تھا اور وہاں کامیابی حاصل کی جہاں دوسرے ناکام ہوگئے تھے اور قوم کو اتحاد، استحکام اور ایمان دیا اور قوم کو ایک وطن لے دیا جسے وہ اپنا ''پاک وطن'' پکار سکیں۔ (ماخوذ از ہفتہ وار اخبار، دی لائٹ، لاہور)

## کانگریس کی طرف سے اپریل ۱۹۴۷ء میں ایشیائی کانفرنس کا انعقاد

## ووکنگ مسلم مشن کے ایک کارکن کے خفیہ کارنامہ نے اسے ناکام بنادیا

قیام پاکستان سے قبل یہ دوسرا واقعہ ہے جس میں شاہجہان مسجد، ووکنگ اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم و مغفور کے نام تحریک پاکستان کے دشمنوں کے خلاف بروقت چوٹ لگانے میں کام آئے۔ پہلا واقعہ چوہدری رحمت علی کے تصور پاکستان کے متعلق ولولہ انگیز چنگاری سے تھا جو ان میں ووکنگ مسلم مشن کے ''سنڈے میٹنگ'' کے ذریعہ پیدا ہوئی۔

۱۹۴۷ء کا سال برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ مرکز میں وزیر اعظم پنڈت نہرو کی زیر سرکردگی ایک مخلوط حکومت قائم ہوچکی تھی۔ کابینہ میں لیاقت علی خان وزیر خزانہ، عبدالرب نشتر اور چند دیگر بھی شامل تھے۔

مسلمانوں کا خیال تھا کہ قیام پاکستان سے قبل یہ ایک عبوری انتظام ہے لیکن ہندو بنیا جیسا کہ وہ ہمیشہ در پردہ مذموم ارادے رکھتا تھا اس عارضی انتظام کو مسلمانوں کے اوپر مستقل بالادستی سمجھ رہا تھا۔

ہندو اس موقع کو کسی طرح ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اور اسے اپنے فائدہ کے لئے استعمال کرنے کی فکر میں تھا۔ پنڈت نہرو نے فوری طور پر اپریل ۴۷ء میں ایشین کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا جس کا اہتمام انڈین، کانگریس کے زیر نگرانی تھا۔

تمام ایشیائی ممالک اور خاص کر اسلامی ممالک کی طرف سے اس کانفرنس

کے دعوت ناموں کا جواب بڑا حوصلہ افزا تھا۔ کانگریسی مسلمان تمام ہندوستان سے ان وفود کے استقبال کے لئے خصوصی طور پر جمع ہوئے۔ اس نہایت ابتدائی دور میں بھی پنڈت نہرو اسرائیل کو نہ بھولے تھے۔ صرف اس ملک سے چالیس افراد پر مشتمل وفد شمولیت کر رہا تھا۔

اس کانفرنس کا مقصد نظریہ پاکستان کو قیام پاکستان سے قبل ہی ختم کرنا تھا۔ اگر ادھر ادھر سے اس کی حمایت میں کوئی آواز اٹھتی تو اس کو یہ ظاہر کیا جاتا کہ مسلمان مرکز میں تین وزارتوں کے علاوہ چند اور عہدے حاصل کرنے کے لئے سیاسی سودے بازی کا طریق اختیار کر رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے متعلق دنیا کی رائے کو بدلنے کے لئے یہ ایک سوچی سمجھی سکیم تھی اور اس حکمت عملی کو کامیاب بنانے کے لئے پنڈت نہرو نے کرشنا مینن کو اپنا خاص مددگار مقرر کیا۔

قائداعظم کی باریک نگاہ نے اس کھیل کو قبل از وقت بھانپ لیا اور انہوں نے اس کانفرنس کے بائیکاٹ کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ ان کو نظر آ رہا تھا کہ اس میں شرکت بہت خطرناک ہو سکتی ہے، یہ عقل مندی اور فراست کی بات تھی، گو وقتی طور پر پنڈت نہرو کے لئے فائدہ اٹھانے کا موقع تھا لیکن اس کے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔

میں اس وقت پرانی دہلی میں مقیم تھا اور دوسرے مسلمانوں کی طرح میں بھی واقعات کے اس اتار چڑھاؤ سے پریشان تھا اور اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ میرا تعلق تحریک پاکستان سے ابتدائی دور سے کافی رہا تھا۔

میں نے اخبارات میں پڑھا کہ مصطفیٰ مومن جو مصر کے دور کروڑ اخوان المسلمین کے لیڈر تھے انہوں نے دہلی جاتے ہوئے کراچی میں مختصر قیام کیا اور پاکستان کے خلاف بیان دیا۔ پنڈت نہرو کے لئے حالات منصوبے کے مطابق چل رہے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ کانفرنس کے بائیکاٹ کا فیصلہ درست تھا تاہم مسلم وفود سے ملاقات اور رابطے میں کوئی نقصان نہیں تھا تاکہ ہم انہیں اپنا نقطۂ نظر سمجھا سکیں۔ اب وقت گذر چکا تھا کہ یہ کہا جاتا کہ مسلم وفود کیوں آئے ہیں۔ جبکہ ان ممالک میں ہمارے پاس کوئی پروپیگنڈے کے ذرائع بھی نہیں تھے کہ ہم ان کو سمجھا سکتے کہ ان کی شرکت مسلمانوں سے دشمنی کے مترادف ہوگی۔ اب جبکہ وہ آ چکے ہیں ان کو اپنے نظریات سے پوری واقفیت کے بغیر واپس نہیں جانا چاہیے اور یہ سب کچھ پنڈت نہرو کے فراہم کردہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیا جائے۔ اپنے مسلمان بھائیوں سے نہ ملنا بھی سیاسی آداب کے خلاف تھا لیکن سوال یہ تھا کہ یہ سب کچھ کیسے کیا جائے۔

قائداعظم اس وقت دہلی میں موجود نہ تھے۔ محمد شریف جواب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ آئی آئی چندریگر کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے نہایت مہربانی سے چندریگر صاحب سے میری ملاقات کا وقت لے دیا اور عبدالرب نشتر صاحب سے بھی ملاقات کا انتظام کر دیا۔

میں نے ان دوسرکردہ لوگوں کو اپنے اندیشوں سے آگاہ کیا۔ اگرچہ دونوں نے میری بات کو سراہا لیکن وہ بھی قائداعظم کے دہلی واپسی تک کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ کہیں ہمارے کسی قدم اٹھانے سے قبل ہی کانفرنس ختم نہ ہو جائے اور ہم پاکستان کے لئے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنے ماضی کے تجربہ کو کام میں لاتے ہوئے خود ہی کوئی طریق اختیار کروں۔

میں، میری بیوی اور دو چھوٹے بچے تھے۔ جو خطرے سے دوچار ہو سکتے تھے۔ میں ان کا اکیلا سہارا تھا اور اس لئے وہ مجھے اس خطرناک کام سے روک بھی سکتے تھے۔ لیکن ایک مسلمان ہوتے ہوئے اس نیک خیال نے کہ میری ذات سے زیادہ پاکستان خطرہ میں تھا مجھے بڑی تقویت اور حوصلہ دیا۔

میرے دفتری اوقات صبح ۹ سے ۴ بجے سہ پہر تک تھے اور چونکہ میں ایک بڑے ہندو تجارتی ادارے میں ملازم تھا اس لئے جو کام میں کرنا چاہتا تھا وہ صرف صبح ۷ سے ۸:۴۵ بجے اور سہ پہر کو ۴:۳۰ سے ۶:۳۰ تک ہی ہو سکتا تھا۔

جہاں میں رہتا تھا ''دستور ہال''، جس میں کانفرنس منعقد ہو رہی تھی یہ جگہ دہلی کے دوسری طرف تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہال تک پہنچنے کے لئے مجھے سات میل سائیکل چلانا تھی اور پھر مزید سات میل دفتر تک پہنچنے کے لئے اور پھر شام کو بھی اسی طرح کرنا تھا۔

وزیر داخلہ پٹیل نے اپنی آسانی اور تحفظ کی خاطر ہال کے لئے شام ۷ بجے سے صبح ۵ بجے تک ایک قسم کا کرفیو لگا دیا تھا اور ہال کو ایس ایس جن سنگھی پہریداروں کے سپرد کر دیا تھا۔ ان کے پاس لاٹھیاں تھیں اور بوقت ضرورت ہتھیار بھی مہیا کرنے کے انتظامات تھے۔ میں نے ایک صبح سائیکل کو ایک محفوظ فاصلے اور مقام پر چھوڑا اور ہال میں داخل ہوا۔ دروازے پر جو افراد موجود تھے انہوں نے مجھے کسی وفد کا فرد سمجھا۔

ہال آہستہ آہستہ وفود سے بھر رہا تھا جو ڈائننگ ہال سے ناشتہ کر کے آ رہے تھے اور ان میں گھل مل جانا کچھ اتنا مشکل کام نہ تھا۔

میں نے اپنے آپ کو مسلم مشن، ووکنگ کے خواجہ کمال الدین صاحب کے فرزند کی حیثیت سے تعارف کرایا۔ اس بات نے میرے اعتماد کو تقویت دی کہ ان میں سے اکثر ووکنگ مسلم مشن کو جانتے تھے اور میری درخواست پر انہوں نے اپنے کمرے کے نمبر دیئے جہاں وہ مقیم تھے۔

لوگ وفود کے استقبال میں ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ کانگریس کی قیادت وہاں نمایاں طور پر موجود تھی۔ کانگریسی مسلمان کارندے نمائشی انداز میں لمبی لمبی کالی داڑھیاں لئے خصوصی طور پر نظر آ رہے تھے۔

یہ ممکن نہ تھا کہ ملنے ملانے میں کسی سے ہاتھ نہ ملا جائے۔ میں نے مسز سروجنی نائیڈو سے ہاتھ ملایا اور مسز ایجی سوامی نتھان اور بہت سے دیگر لوگوں سے جھک کر سلام کیا اور اس دوران مسٹر پٹیل اور دیگر اہم کانگریسی شخصیات سے ملنے سے کنی کترا تا رہا اور اس طرح کہ عین اس وقت یہ ظاہر کرتا کہ جیسے جلدی میں آنے والے گروہ میں سے کسی کو جانتا ہوں اور ان کی طرف لپکتا تا کہ ایسا نہ ہو کہ مبادا کوئی مجھ سے پوچھ بیٹھے کہ میں کس ملک کی نمائندگی کر رہا ہوں۔

اس کے بعد جب میں صبح اور شام کے وقت ہال میں گیا مجھے مسلمان نوجوان کارندوں سے چھوٹے چھوٹے تحفے قبول کرنے پڑتے جو وہ فراخدلی سے ہر ایک کو پیش کر رہے تھے۔ سب سے پہلا اور اہم شخص جس سے میرا دوسرے دن رابطہ ہوا وہ اعظم بے تھے جو بعد میں پاکستان میں مصر کے پہلے سفیر بن کر آئے اور یہ خدا کا خاص فضل تھا۔ مجھے ان سے معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ وہ اور میرے دوست ڈاکٹر زادہ جو لندن میں سعودی عرب کے سفارتخانے کے فرسٹ سیکرٹری تھے۔ دونوں مل کر جمعہ کی نماز کے لئے ہمارے لندن کے سنٹر III ٹاٹنگ ہال گیٹ میں آیا کرتے تھے۔ اس وقت محترم عزت مآب حافظ واہبا سعودی عرب کے سفیر تھے انہوں نے مجھے دوسرے مسلم وفود اور خاص طور پر اپنے ہم نام اعظم بے جنرل سیکرٹری، عرب لیگ سے متعارف کرانے میں دلچسپی لی۔ لوگوں نے میرے والد حضرت خواجہ کمال الدین اور مسلم مشن ووکنگ کی وجہ سے ان معاملات کے متعلق جو مجھے دل سے عزیز تھے میرے اخلاص پر شک نہ کیا اور میری رائے اور موقف کی سچائی پر یقین کیا اور میری ان سے ملاقات کے مقصد کو صحیح جانا۔ مذکورہ بالا لوگوں کے ذریعہ مصطفیٰ مومن سے میرا تعارف خطرے سے محفوظ تھا۔

ان تمام لوگوں سے میں ان کے کمروں میں ملتا۔ میری سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ان کے کمروں میں ہر وقت تین چار کالی داڑھیوں والے کانگریسی مسلمان موجود رہتے تھے تا کہ میرے جیسے قابل اعتراض بہکانے والوں سے ان کی حفاظت کر سکیں۔ اس لئے میں نے ان لیڈروں سے ملاقات کے وقت وہ طریقہ استعمال کیا جو سرحد کے میرے قبائلی بھائی استعمال کرتے ہیں۔ میں اپنے دوستوں کو کمروں سے باہر لان کے درمیان لے جاتا اور پاکستان کے متعلق گفتگو کے ذریعہ ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا۔

اس سلسلہ میں سب سے مشکل متاثر ہونے والا شخص جس نے میرے باپ کی بہت سی کتابوں کو پڑھا تھا ان کا نام حاجی ابوالسلیم مرحوم تھا جو نہایت ہی معزز آدمی تھا اور انڈونیشیا کے پہلے وزیر خارجہ تھے۔ اس کے ساتھ ایک میجر جنرل تھا جس کے نام کا آخری لفظ ''دین'' تھا شاید بدرالدین ہو جو سلطان شہریار کے ساتھ آیا تھا اور جو پٹیل کے گھر ٹھہرا ہوا تھا۔

حاجی سلیم صاحب کو سب سے زیادہ فکر اور الجھن اس بات کی تھی کہ مسٹر جناح سلطان شہریار سے کیوں ملاقات نہیں کر رہے۔ شاید پٹیل نے کہا تھا کہ مسٹر جناح کو اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ سو پیشتر اس کے ان کے ذہن میں پاکستان کے متعلق خیالات کو بدلہ جائے یہ ضروری تھا کہ ان کی ملاقات کا بندوبست کروایا جاتا اور میری خوش قسمتی کہ اس وقت تک قائداعظم واپس آ چکے تھے۔ چنانچہ

میں نے ملاقات کا انتظام کیا لیکن اس سے قبل مجھے حاجی سلیم صاحب سے دوبارہ ملنا پڑا تب جا کر وہ ملنے کے لئے رضا مند ہوئے۔ حاجی سلیم صاحب نے کہا کہ تمہارے باپ اسلام کی تبلیغ کرتے تھے اور مذہب کی بناء پر تقسیم اسلامی روح کے خلاف ہے۔ میں نے ان سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی نقطہ نظر سے گو یہ ایک نقص دکھائی دیتا ہے لیکن ہندو پہلے ہی ہمیں معاشی طور پر تباہ کر رہا ہے اور درحقیقت ہر سطح پر یہی صورت حالات ہیں اور یہ کہ جب تک ہم بحیثیت قوم اپنی ہستی کو زندہ نہیں رکھتے مشرق وسطی اور مشرق بعید کے مسلمانوں سے ہمارا رابطہ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے گا۔ یہ خوفناک اژدھا بالا دستی کے خواب دیکھ رہا ہے اپنے پنجے دور ونزدیک پھیلائے گا اور آپ کو تباہ اور اپنا دست نگر بنائے گا۔ پنڈت نہرو اپنی خود نوشت سوانح عمری میں فخریہ انداز میں لکھ چکا ہے کہ برہمنی نظام و تہذیب سے اعلیٰ اور طاقتور ہے کیونکہ اس سے تمام مختلف گروہوں کو جو فاتح بن کر آتے تھے ایک ایک کر کے اپنے میں مدغم کر لیا ہے اور مسلمانوں کا ادغام ان کا بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ یہی بات پہلے سپین میں ہو چکی ہے اور اب ہندوستان میں بھی ایسا ہوگا لیکن یہ پیچھے ہٹنے کا قدم زندگی کو بچانے اور اکثریت والے علاقے لینے کے لئے ہے کیونکہ یہ ملک ہمارا ہی ہے ہم اپنا حصہ چاہتے ہیں۔ یہی ایسی واپسی ہے تا کہ اپنے آپ کو مضبوط کر سکیں۔ تا کہ اپنے آپ کو سنبھال سکیں اور اپنے مستقبل کی حفاظت کر سکیں۔

صبح کا وقت جب میں ہال میں حاجی سلیم صاحب سے ملنے جاتا اور وہ گفتگو میں مصروف ہوتے تو میں ان کے پیچھے کھڑا ہو جاتا اور جس وقت ان کی نگاہ مجھ پر پڑتی تو میں اپنی ایڑیوں کو جرمن فوجی کی طرح بجاتے ہوئے جھک کر سلام کرتا اور وہ میرے سلام کا جواب دیتے اور پھر مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لے جاتے۔

جب وہ اپنے کمرے میں آرام سے اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے میں ان کا سگار سلگاتا اور اس بات کا خاص خیال رکھتا کہ ان کی ٹانگیں ایک سٹول پر آرام کرنے کے انداز سے پھیل جائیں۔ اس وقت ان کی عمر ۷۵ سال تھی۔ پھر میں ان سے پوچھتا کہ کیا میں گفتگو شروع کروں۔ ان کا خیال تھا کہ مجھے تحریک پاکستان کی خفیہ تنظیم نے خاص طور پر تربیت دی ہے اور وہ ہماری تنظیم کی بڑی عزت کرتے۔ ان کو اسلام سے بھی بے انتہا محبت تھی۔ بالآخر جب میں ان کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو انہوں نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ مسٹر صلاح الدین تم نے اپنے ملک کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

اس مختصر عرصہ میں مجھے جو کامیابی ہوئی اس نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ اب واپسی کا سوال ہی نہ تھا۔

بالآخر جب تمام مسلم وفود پوری طرح مسٹر لیاقت علی سے ملنے کے لئے تیار ہو گئے تو اب میرے سامنے اگلا مرحلہ یہ تھا کہ ان کے لئے لیاقت علی خان سے ملاقات کا وقت لوں

اس مرحلہ میں میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے وزیر علی مل گئے جو بات کی گہرائی کو جلد سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور جو کچھ میں نے ان سے کہا وہ اس کی گہرائی کو سمجھ گئے۔ اس وقت وہ لیاقت علی خان وزیر خزانہ کے سیکرٹری تھے۔ جناب صوفی جواب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اسسٹنٹ سیکرٹری تھے۔ اور ایک اور اسسٹنٹ سیکرٹری جو قائد ملت کے خفیہ سٹینوگرافر بھی تھے۔ کاش مجھے ان کا نام یاد رہتا۔

صبح اور شام کی کئی ملاقاتوں کے بعد بالآخر مجھے ان سب کو اتوار ۶ بجے شام کو لانے کے لئے کہا گیا۔ میرے پاس ان کو لانے کے لئے کوئی سواری نہ تھی۔ میں ادھر ادھر لوگوں کو اس سلسلہ میں درخواست بھی نہ کر سکتا تھا اور اس مرحلہ پر میں اس مشکل کا کسی پر اظہار بھی نہ کر سکتا تھا۔

اتوار آ گیا اور ابھی تک سواری کا بندوبست نہ ہو سکا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ ملک صاحب جواب کراچی میں ہیں اور جو اس وقت تک بھی دہلی کے بڑے مشہور کاروباری شخصیت تھے۔ انہوں نے بعض مسلمان وفود کے اعزاز میں ایک تقریب کا انتظام کیا تھا۔ ان کی رہائش گاہ بھی قائداعظم والی سڑک یعنی اورنگ زیب روڈ پر تھی۔ میں نے فوراً ان کی تقریب سے پہلے جو ۵ بجے شام تھی۔ رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے اسی وقت میرے مقصد کی اہمیت کو سمجھ لیا اور کھلے دل سے اور پر جوش انداز میں دعوت کو اس مقصد کے لئے منسوخ کر دیا تا کہ ان کی سواریاں وفود کو قائد ملت کی رہائش گاہ واقع گل رعنا تک لے جانے کے لئے کام آ سکیں۔ سواری کے انتظامات کرنے میں میرے دوست اور ڈاکٹر احمد صادق نے بھی مدد کی جواب

کراچی میں پریکٹس کر رہے ہیں اور اس طرح باقی ماندہ وفود کو بھی لے جانے کے قابل ہو سکا۔ آخر کار یہ قافلہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

پہلے مجھے چند لمحے دیئے گئے کہ میں قائد ملت کو اس ملاقات کا مقصد بیان کر سکوں۔ قائد ملت نے میری باتوں کو غور سے سنا۔ نہایت شگفتگی سے مسکرائے اور اپنے وسیع ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے اور میں ان کی بائیں طرف تھا۔ وہاں تمام نمائندے پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے ان سب کا تعارف کرایا اور پھر قائد ملت نے ایک گھنٹہ تک تحریک پاکستان کے متعلق وضاحت کی جس کو سن کر میرا دل بہت خوش ہوا۔ میرے لئے یہی انعام تھا کہ وفود نے وہ سب کچھ سن لیا جو میں چاہتا تھا کہ وہ سنیں۔ تمام لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ان پر رقت طاری تھی۔ انہوں نے قائد ملت کو بتایا کہ ان کے پاس ان کی آمد کے دن سے قائد اعظم کے لئے خفیہ پیغامات موجود تھے اور اگر آج کی اس ملاقات کا انتظام نہ ہوتا تو وہ پیغامات آپ تک نہ پہنچا سکتے۔ ملاقات کے بعد قائد ملت مجھے اپنے ذاتی کمرے میں لے گئے اور انہوں نے میری اس درخواست کو منظور کر لیا کہ اب مجھے چپکے سے غائب ہو جانا چاہیے۔

اگلے دن سوموار کو قائد ملت کی ہدایت پر اخبار ''ڈان'' میں پہلے صفحہ پر پہلے کالم میں یہ سرخی لگی ''تمام مسلمان نمائندوں نے لیاقت علی خان سے خلوت میں گفتگو کی''۔

میں اخبار دیکھ چکا تھا۔ اس وقت میں مسٹر مصطفیٰ مومن کے ساتھ ہال میں کافی پی رہا تھا جو چاہتے تھے کہ میں ان کے جانے سے ایک ۲ دن پہلے ان کی قائد اعظم سے ملاقات کا بندوبست کروں۔ اسی لمحہ میں نے دیکھا کہ کھانے کے ہال کے دوسرے کنارے پر کرشنا مینن پنڈت نہرو سے باتیں کر رہے ہیں اور انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ ان کے چہروں کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ گذشتہ شام کی ملاقات کرانے میں کس کا ہاتھ ہے۔

میں تمام عرصہ ان سے بچتا رہا کہ میرے اتنے قریب نہ آپائیں اور مجھ سے براہ راست یا بالواسطہ کوئی سوال نہ کریں لیکن اب میرا مشن مکمل ہو چکا تھا اور مصطفیٰ مومن کی ذاتی خواہش کو بھی پورا کر چکا تھا اور اب میرے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں اس سیاسی پس منظر سے غائب ہو جاؤں تا کہ میں اپنی نوکری کو بچا سکوں۔ میری وطن کے لئے میرا فرض پورا ہو چکا تھا۔ مسٹر نہرو کی ایشیائی کانفرنس دھوئیں کی طرح اڑ گئی اور اس کے پاکستان کے خلاف منصوبے بری طرح ناکام ہو گئے۔ کیونکہ کانفرنس کو خفیہ طریق پر برباد کر دیا گیا تھا۔ اور یہ بات برملا کہنا چاہتا ہوں کہ میں وہ کچھ نہ کر سکتا جو میں نے کیا اگر ان اچھے لوگوں کے دلوں میں ووکنگ مسلم مشن اور میرے والد حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی عزت نہ ہوتی جنہوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔

جس مقصد کے لئے میں نے بہت کچھ قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کے حصول کے لئے میں نے تمام دروازے کھلے پائے۔ مجھے اپنے مقصد کی سچائی پر پورا یقین تھا اور کوئی خطرہ یا رکاوٹ مجھے میرے مشن کو پورا کرنے کی راہ میں حائل نہ ہو سکتی تھی۔ اس دوران میں میں اور مصطفیٰ مومن ہم نے کئی مرتبہ ''دستور ہال'' کے لان میں باجماعت نمازیں بھی ادا کیں وہ میرے امام ہوتے اور میں ذرا پیچھے دائیں طرف ہٹ کر ان کا مقتدی ہوتا تھا۔ (تحریر کردہ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۵ء)

از انتخاب: سعید اللہ

## نوٹ

شبان الاحمدیہ مرکزیہ نے نوجوانوں کی تحریری صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنے کے لئے پیغام صلح میں ایک نیا سلسلہ **''شبان کارنر''** کا اجراء کیا ہے۔

تمام نوجوانوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مضامین شبان الاحمدیہ کے مرکزی دفتر بھیجیں جنہیں پیغام صلح میں شائع کیا جائے گا۔ مزید معلومات کے لئے شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے نمبر 0313-4433515 پر رابطہ کریں

سیکرٹری، شبان الاحمدیہ مرکزیہ

**عاطف نثار**

# دنیا اور آخرت

از: قاری غلام رسول صاحب

دنیا کی زندگی عارضی، فانی اور چند روزہ ہے اور آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے اور آخرت کی زندگی دائمی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس لئے عقلمند انسان وہ ہے جو ہر معاملہ میں آخرت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ دنیا اصل میں مہلت کا تھوڑا سا وقفہ ہے۔ یہاں نصاب زندگی قرآن حکیم ہے۔ قرآن حکیم گویا کتاب لقمان ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ سو رہے ہیں، مرنے کے بعد بیدار ہوں گے۔ آخرت سے غافل انسان دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس کی ساری سرگرمیوں کا تعلق صرف دنیا کے لئے ہوتا ہے لہذا وہ آخرت میں خسارہ اٹھاتا ہے۔ سورۃ العصر میں اسی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے ترجمہ: ''زمانہ کی قسم انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے اور آپس میں حق بات کی وصیت کرتے رہے اور صبر کی وصیت کرتے رہے''۔

یہاں ایمان کے مقابلہ میں حق بات کی وصیت کو رکھا ہے اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں صبر کی وصیت کو رکھا کیونکہ ایمان کا تعلق حق کی وصیت سے ہے اور اعمال صالحہ کا تعلق صبر کی وصیت سے ہے۔ ایمان حق بات کو چاہتا ہے اور اعمال صالحہ کے لئے صبر اور استقامت اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ لہذا آخرت کے خسارے سے وہی محفوظ رہیں گے جو ان اصولوں کو اپنائیں گے جو سورۃ العصر میں بیان کئے گئے ہیں۔

اسلام کی نظر میں دنیا کمانا یا ترقی کرنا بُرا نہیں جبکہ آخرت پیش نظر رہے۔ قرآن کریم میں ایک جامع دعا سکھائی گئی ہے:

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور عذاب نار سے محفوظ فرما''۔ (سورۃ البقرہ)

اسلام میں نہ ترک دنیا ہے نہ غرق دنیا ہے صرف اس دنیا کی مذمت کی جاتی ہے جس میں انسان آخرت سے غافل ہو جائے۔ اور دنیا ہی میں کھو جائے۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔ ہر شخص اپنے عمل سے گرفتار ہوگا، ہر شخص کو ہر عمل خواہ اچھا ہو یا برا نتیجہ دیکھنا ہوگا۔ لیکن کچھ نیکیاں ایسی ہوتی ہیں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

سماجی زندگی کی ذمہ داریوں سے بھاگ کر خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا یا اس کا نام روحانیت رکھنا غلط ہے۔ یہ روحانیت نہیں رہبانیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہمارے لئے روشنی کا معیار ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے مسلسل نفلی روزے رکھنے اور شب بیداری کرنے اور ازدواجی تعلق سے پرہیز کرنے کا ارادہ کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اپنا نمونہ پیش فرمایا کہ میں نفلی روزے بھی رکھتا ہوں رات کو بیدار ہو کر ذکر اللہ بھی کرتا ہوں اور ازواج کے پاس بھی جاتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ بھرپور سماجی معاشرتی اور اقتصادی ذمہ داریوں کی آئینہ دار ہے۔ اس میں رہبانیت نام کی کوئی چیز نہیں۔ دراصل معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار ہو کر روحانیت کا حصول عیسائیت ہے۔ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ عقیدہ آخرت انسان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے اور حیوانی ونفسانی جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ ''لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت عورتوں، اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیر اور اعلیٰ قسم کے گھوڑے اور چار پائے اور کھیتیاں مزین کر دی گئی ہیں یہ صرف متاع دنیا ہے''۔ (سورۃ آل عمران)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: ''دنیا کی زندگی صرف کھیل کود اور بے حقیقت مشغلہ کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی ہے کاش لوگ جانتے''۔ (سورۃ عنکبوت)

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: ''اے میری قوم یہ دنیوی زندگی تو صرف عارضی سامان ہے اور بلاشبہ آخرت کا گھر ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے'' (سورۃ مومن)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سو رہے تھے جب بیدا ہوئے تو چٹائی کے نشان پہلو مبارک پر نظر آئے ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم آپ کے لئے نرم سا گدیلا بنا دیں تو کتنا اچھا ہو آپ نے ارشاد فرمایا مجھے دنیا اور اس کے آراموں سے کیا تعلق؟ میں اس دنیا میں اس اونٹ سوار کی طرح ہوں جو ایک درخت کے نیچے تھوڑا سا ستانے کے لئے اترا اور پھر شام کے وقت اس کو چھوڑ کر آگے چل کھڑا ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تو دنیا میں ایسے رہ گویا تو ایک پردیسی مسافر ہے'' (بخاری شریف)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوہ احزاب کے وقت خندق کھود رہے تھے اور صحابہ مٹی کندھوں پر اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر فرماتے تھے اے اللہ دراصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے تو مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔ (بخاری شریف)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں ''شیطان کے وساوس بہت ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک وسوسہ اور شبہ جو انسانی دل میں پیدا ہو کر اسے خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق کر دیتا ہے۔ آخرت کے متعلق ہے کیونکہ تمام نیکیوں اور راستبازوں کا بڑا بھاری ذریعہ من جملہ دیگر اسباب اور وسائل کے آخرت پر ایمان بھی ہے اور جب انسان آخرت اور اس کی باتوں کو قصہ اور داستان سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ مردود ہو گیا اور دونوں جہانوں سے گیا گذرا ہوا۔ اس لئے کہ آخرت کا ڈر بھی تو انسان کو خائف اور ترساں بنا کر معرفت کے سچے چشمہ کی طرف کشاں کشاں لے آتا ہے اور سچی معرفت بغیر حقیقی خشیت اور خدا ترسی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس یاد رکھو کہ آخرت کے متعلق وساوس کا پیدا ہونا ایمان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور خاتمہ بالخیر میں فتور پڑ جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد اوّل ص 34)

ایک اور جگہ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں ''جب لوگ حد سے زیادہ دنیا میں دل لگاتے ہیں خدا تعالیٰ سے بے پروائی اختیار کرتے ہیں تو انہیں خبردار کرنے کے لئے عذاب نازل ہوتا ہے''۔ (ملفوظات جلد پنجم ص 443)

ایک اور مقام پر حضرت صاحب فرماتے ہیں ''جب ایک چیز کی کثرت ہو جاوے تو پھر اس کی قدر نہیں رہتی۔ پانی اور اناج جیسی کوئی چیز نہیں اور یہ سب چیزیں آگ، ہوا، مٹی، پانی ہمارے لئے نہایت ہی ضروری ہیں۔ مگر کثرت کی وجہ سے انسان ان کی قدر نہیں کرتا لیکن اگر ایک جنگل میں ہو اور کروڑ ہا روپیہ بھی پاس ہو مگر پانی نہ ہو تو اس وقت کروڑ ہا روپیہ بھی ایک گھونٹ پانی کے بدلے دینے کو تیار ہوتا ہے اور آخر بڑی خسرت سے مرتا ہے۔ دنیا کی دولت چیز ہی کیا ہے؟ جس کے لئے انسان مارا مارا پھرتا ہے۔ ذرا سی بیماری آجاوے پانی کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے مگر ایک منٹ کے لئے بھی چین نہیں آتا جب یہ حال ہے تو انسان کی یہ کس قدر غفلت ہے کہ اس حقیقی کارساز کی طرف توجہ نہ کرے جس کا بنایا ہوا یہ سب کارنامہ ہے اور اس کا ذرہ ذرہ جس کے تصرف اور اختیار میں ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم ص 346)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص خشیت الٰہی سے روتا ہے وہ جہنم کی آگ میں داخل نہیں ہوتا جب تک کہ دودھ تھنوں میں واپس چلا جائے خدا تعالیٰ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں اکٹھا نہیں ہو سکتا۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ایک وہ آنسو جو فکرِ آخرت میں اللہ کے خوف سے نکلے اور دوسرا وہ خون کا قطرہ جو خدا کی راہ میں بہایا جائے۔ (ترمذی شریف)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''میری نصیحت یہی ہے کہ دو باتوں کو یاد رکھو ایک خدا تعالیٰ سے ڈرو دوسرے اپنے بھائیوں سے ایسی ہمدردی کرو جیسی اپنے نفس سے کرتے ہو اگر کسی سے کوئی قصور اور غلطی سرزد ہو جاوے تو اسے معاف کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس پر زیادہ زور دیا جاوے اور کینہ کشی کی عادت بنائی جاوے۔ (ملفوظات جلد پنجم ص 69)

ایک دوسرے مقام پر حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اللہ کی خاطر کرنی چاہیے اس میں کسی اور بات کو نہ ملاؤ اور نہ کوئی اور نیت رکھو۔ عمل صالح وہ ہے جس میں کوئی فساد نہ ہو اگر انسان کچھ دین کا بننا چاہیے اور کچھ دنیا کا بننا چاہے تو یہ محض ایک فساد ہے ایسی حالت سے بچنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا۔ عمل صالحہ وہ ہے جو محض خدا تعالیٰ کے واسطے

ہو پھر خدا تعالیٰ اپنے بندے کی پرورش آپ کرتا ہے اور اس کے واسطے گذارے کی صورتیں خود بخود ظاہر ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ انسان کے واسطے مناسب نہیں کہ اپنی عبادت کے وقت ایسی باتوں کا خیال دل میں لائے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رزق آسمان پر ہے۔ دیکھو جب انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ محبت رکھتا ہے تو اس میں بھی خالص محبت وہ ہوتی ہے جس کے درمیان کوئی غرض نہ ہو" (ملفوظات جلد پنجم ص 84)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن سات آدمی اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے تنہائی میں فکرِ آخرت کی وجہ سے خوف خدا سے آنسو بہائے ہوں گے" (بخاری شریف کتاب الذکوۃ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "اس بات کو کبھی مت بھولو کہ دنیا روزے چند آخر کار با خداوند۔ اتنا ہی کام نہیں کہ کھا پی لیا اور جانوروں کی طرح زندگی بسر کر لی۔ انسان بہت بڑی ذمہ داریاں لے کر آتا ہے اس لئے آخرت کی فکر کرنی چاہیے اور اس کی تیاری ضروری ہے۔ اس تیاری میں جو تکالیف آتی ہیں وہ رنج و تکلیف کے رنگ میں نہ سمجھو بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر بھیجتا ہے جن کو دونوں بہشتوں کا مزہ چکھانا چاہتا ہے"۔ (ملفوظات جلد دوم ص 153)

حضرت امام الزمان فرماتے ہیں "جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں تکالیف دیتا ہے اور جو لوگ خدا تعالیٰ کے لئے دکھ اٹھاتے ہیں ان دونوں کو خدا تعالیٰ آخرت میں بدلہ دے گا۔ دنیا تو چلنے کا مقام ہے۔ رہنے کا نہیں اگر کوئی شخص سارے سامان خوشی کے رکھتا ہے تو خوشی کا مقام نہیں یہ سب آرام اور دکھ ختم ہونے والے ہیں اور اس کے بعد ایک ایسا جہان آنے والا ہے جو دائمی ہے جو لوگ اس مختصر جہاں میں انسانی بناوٹ میں فرق اور کمی بیشی دیکھ کر دوسرے جنم کے گناہوں اور عملوں پر محمول کر لیتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں وہ یہ معلوم نہیں کرتے کہ آخرت کا ایک بڑا جنم آنے والا ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے پیدائش میں کوئی نقص عطا کیا ہے اور جن لوگوں نے اپنے آپ کو خود بخود خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دکھوں میں ڈال دیا ہے ان دونوں کو وہاں چل کر بدلہ ملے گا۔ یہ جہاں تو تخم ریزی کا جہاں ہے اور ایسے مواقع حاصل کرنے کے واسطے ہے جن سے خدا تعالیٰ راضی ہو"۔

(ملفوظات جلد چہارم ص 72)

# رپورٹ تعزیتی جلسہ

تنظیم خواتین مرکزی انجمن کی طرف سے ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا جو کہ 7 مارچ 2012ء کو تھا۔ احمدی خواتین میں سے تین بزرگ اور نہایت پرجوش کارکن مسز خدیجہ اشرف جو ڈاکٹر محبوب اشرف صاحب کی بیوی اور ملتان کے ڈاکٹر مرزا رفیق بیگ کی بیٹی تھیں مورخہ 20 فروری کو لندن میں وفات پا گئیں اور 26 فروری کو انکا نماز جنازہ جامع دارالسلام میں پڑھایا گیا اور دارالسلام کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

مسز ورجینہ وحید صاحبہ جو کہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب کی بہو اور ڈاکٹر وحید مرحوم کی بیوی تھیں۔ بیگم زکیہ اقبال صاحبہ جو کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی صاحبزادی تھیں انتقال کر گئیں ہیں۔ **"بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔**

مرحومین کی ذات بے شمار خوبیوں کی حامل تھیں۔ ہمیں اس حادثہ پر سوگواران اور دیگر خاندان کے ممبران سے دلی ہمدردی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام عزیزوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومین کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

سیکرٹری
تنظیم خواتین احمدیہ

☆☆☆☆

# شفاعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

ازمحترمہ پروین چوہدری (ایم اے۔ بی ایڈ)

لفظ شفاعت شفیع سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں جوڑا بننے یا ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں۔ اور شفاعت اصل میں یہی ہے کہ کوئی درخواست کنندہ اور عرضداشت پیش کرنے والا ہم آہنگ ہوکر کسی بڑے کے سامنے اس کی درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرے۔ رسول کریم صلعم کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپ گنہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اس کے سامنے ان کی بخشش ومغفرت کی درخواست پیش کریں گے۔ اسی کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں ہے ''یعنی قریب ہے کہ خدا مجھے مقام محمود میں اٹھائے''۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد صحیح روایتیں متعدد صحابہ نے بیان کی ہیں کہ مقام محمود سے مراد شفاعت کا رتبہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کرکے یہ آیت تلاوت کی پھر حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے۔ بصرہ کے کچھ خوارج یعنی بصرہ کو چھوڑ کر آنے والے لوگ جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو جہنمی سمجھتے ہیں۔ اور ان کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ آئے یہاں مسجد نبوی میں جابر بن عبداللہ صحابی قیامت کے واقعات بیان کررہے تھے کہ ان میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیئے جائیں گے۔ تو حضرت جابر نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں فرمایا تم نے اس مقام محمود کا حال سنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمہارے پیغمبر کو مبعوث کرے گا۔ اس نے کہا ہاں سنا ہے۔ فرمایا تو یہی محمد رسول اللہ کا مقام محمود ہے۔ جس کے ذریعے سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا نکالے گا۔ یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اس باطل عقیدے سے تائب ہوگئے اور بولے کہ کیا یہ بوڑھا صحابی اللہ کے رسول پر جھوٹ بولے گا؟۔

بخاری میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے پیغمبر خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت صلعم تک پہنچے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود میں اٹھائے گا۔ جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے گا کہ اے خدا جو پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے محمدؐ کو وسیلہ فضیلت اور مقام محمود عطا فرما۔ جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے تو قیامت کے دن اس پر میری شفاعت اترے گی۔ پھر آنحضور صلعم نے فرمایا کہ ہر نبی کو کوئی نہ کوئی مستجاب دعا دی گئی۔ میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لئے چھپا رکھا ہے۔ پھر مزید فرمایا مجھ کو دوسرے انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئی ہیں۔ ان میں ایک شفاعت ہے یعنی ہر نبی نے اپنی اپنی دعا اپنے وقتوں میں مانگ لی اور وہ قبول ہوگئیں لیکن میں نے اپنی اس دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے۔ اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے اور فرمایا کہ میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور مزید فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔

قیامت کے دن جب دنیا کی گنہگاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدم کی اولاد سرزاں و ترساں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی۔ کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا ڈھونڈے گی کبھی نوح اور ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرے گی کبھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بے تابانہ دوڑے گی مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی۔ آخر کار شفیع المذنبین سید الاولین وآخرین آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیغام سنائیں گے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں متعدد جگہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انس بن مالک، جابر بن عبداللہ اور حضرت خدیجہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلعم نے صحابہ کی ایک مجلس میں فرمایا کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی۔ لوگ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں۔ خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں میں پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی۔ اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا۔ آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجیے۔ جواب ملے گا کہ میرا یہ رتبہ نہیں۔ میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا۔ نفسی نفسی یعنی اے میری جان، اے میری جان، پھر لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پیغمبر ہیں خدا نے آپ کو شکر گذار بندہ کا خطاب دیا ہے۔ آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجیے۔ وہ کہیں گے کہ ہمارا یہ رتبہ نہیں۔ خدا کا غضب آج سے پہلے ایسا کبھی نہ تھا۔ مجھ کو مستجاب دعا کا ایک موقع ملا تھا۔ وہ میں نے اپنی قوم کی تباہی کے لئے مانگا۔ نفسی نفسی۔ تم لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ دنیا اس طرف دوڑے گی کہ آپ خدا کے دوست ہیں۔ پروردگار سے ہماری سفارش کیجیے۔ وہ بھی کہیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں۔ آج خدا کا غضب ایسا ہے جو پہلے کبھی نہ تھا۔ نفسی نفسی۔ پھر لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ خدا نے آپ کو اپنے کلام و پیغام میں برتری بخشی ہے۔ آپ شفاعت کیجیے۔ موسیٰ علیہ السلام خدا کے غضب کو دیکھ کر کہیں گے کہ میں نے ایک بے گناہ کو قتل کیا تھا۔ نفسی نفسی۔ تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ روح اللہ ہیں۔ وہ بھی اپنا رتبہ یاد دلائیں گے اور اے میری جان، اے میری جان پکاریں گے۔ پھر کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ پھر ساری مخلوق آپ کے پاس آئے گی اور کہے گی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ خدا کے رسول ہیں۔ اور خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ وہ ہیں جن کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہیں۔ آپ پروردگار سے ہماری سفارش کیجیے۔ آپ اٹھ کر عرش کے پاس جائیں گے اور اذن طلب کریں گے۔ اذن ملے گا تو سجدہ میں گر جائیں گے۔ آپ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ القا فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی اور پر القا نہیں ہوئے۔ آپ دیر تک سربسجود رہیں گے پھر آواز آئے گی۔ اے محمدؐ سر اٹھاؤ۔ کہو سنا جائے گا مانگو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔

عرض کریں گے الٰہی امتی امتی حکم ہوگا۔ جاؤ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے۔ آپ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے پھر سجدہ میں گر پڑیں گے اور حمد و ثنا کریں گے پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمدؐ سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی عرض کریں گے الٰہی امتی امتی حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ بخشا گیا۔ حضور جائیں گے اور پھر واپس آ کر عرض گذار ہوں گے حمد و ثناء کے بعد پھر ویسے ہی سربسجود ہوں گے۔ پھر آپ کے دل پر تیسری مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کے محامد اور تعریفوں کے نئے معنی کے ساتھ نئے الفاظ القا ہوں گے۔ اور بہت دیر تک سجدہ میں رہیں گے پھر آواز آئے گی وہی حکم ہوگا کہ جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو۔ اس کو بھی دوزخ سے نکالوں گا۔ آپ پھر جائیں گے دوزخ سے لوگوں کو نکال کر واپس آئیں گے، گذارش کریں گے اور حمد و ثنا کے بعد سجدہ میں گر جائیں گے پھر ندا آئے گی کہ اے محمدؐ سر اٹھا کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی۔ اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔ صدا آئے گی۔ اس کا اختیار تم کو نہیں لیکن مجھے اپنی عزت اور کبریائی کی قسم اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم کہ میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے کوئی دوسرا معبود نہیں بنالیا۔ چنانچہ دوزخ سے ہر شخص کو نجات مل جائے گی۔ سوائے ایک شخص کے جو جل کر کوئلہ ہو چکا ہوگا اس کی شفاعت پر خدا فرشتوں کو حکم دے گا کہ جاؤ اسے نہر حیات میں ڈبو دو۔ وہ شخص صحیح و سلامت جسم کے ساتھ باہر آجائے گا۔ کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیغام کسی نے سنایا تھا کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں۔ یہی ہمارے نبی کا مقام محمود ہے۔

☆☆☆☆

# درس قرآن ۔۱۱

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ”جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں“ (البقرہ ۲: آیت ۳)۔

پچھلا درس ایمان بالغیب کے مضمون پر تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ موجود ہونا مگر اپنے آپ کو پردہ غیب میں رکھنا جن حکمتوں پر مبنی ہے ان میں سے کچھ کا ذکر میں نے پچھلے درس میں کیا تھا۔ مگر یہ اس قدر وسیع اور اہم مضمون ہے کہ اس پر جتنا بھی کہا جائے کم ہے۔ کچھ ضروری باتیں ابھی کہنا باقی ہیں جو میں اس درس میں انشاء اللہ کہہ کر پھر میں باقی کی آیت کو لوں گا۔

خدا تعالیٰ کی مخلوق تو خدا پر ہمیشہ دلیل تھی۔ اس زمانہ میں آن کر سائنس نے جو مادہ کو پھاڑ کر پھر ایٹم کو پھوڑا تو اس کے اندر جو کائنات بسی ہوئی ہے۔ اور جو عجائبات روز بروز ظاہر ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد تو کوئی شک باقی رہا ہی نہیں کہ اس تمام کائنات کا ایک عجیب و غریب خالق اور حاکم ہے جس کی عظمت، طاقت اور خوبیوں کے آگے انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس عقل اور سائنس کی گواہی کے علاوہ ایک اور گواہی ہے جو انسان کے باطن میں ایسی ٹھونکی ہوئی ہے کہ نکالے بھی نکلتی نہیں۔

انسان کا قلب انسان کی فطرت کا مرکز ہے۔ اور انسان کی فطرت میں اپنے خالق سے ایسا تعلق ہے جو توڑے سے بھی نہیں ٹوٹتا۔ قرآن حکیم نے اس تعلق کا ان الفاظ میں پتہ دیا ہے:

”اور جب تیرے رب نے بنی آدم سے ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھہرایا۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم گواہ ہیں، (تا کہ) ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہو کہ ہم تو اس سے (یعنی خدا کی ہستی سے) بے خبر تھے۔ یا کہو کہ وہ تو ہمارے باپ دادا نے پہلے شرک کیا اور ہم تو ان کے پیچھے (ان کی اولاد) تھے۔ تو کیا تو ہم کو اس کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو حق کو جھٹلانے والوں نے کیا“۔ (سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲، ۱۷۳)

ان آیات میں قرآن حکیم نے اس عہد فطرت کو یاد دلایا ہے جو ہر انسان کے باطن میں خدا سے رشتہ یا تعلق کے طور پر بندھا ہوا ہے۔ اسی فطرت کی گواہی کی وجہ سے بڑے سے بڑا دہریہ بھی بعض وقت خدا کو، یا ایک مشرک خدائے واحد کو بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔ یہ پکار خصوصاً مصیبت کے وقت انسان سے خدا کی طرف اٹھتی ہے۔ مگر ویسے بھی یہ رشتہ توڑے نہیں ٹوٹتا۔ اس زمانہ میں دہریت کو دنیا میں پھیلانے والی تحریک اشتراکیت یا کمیونزم ہے۔ اس کے لیڈر روس کے صدر آنجہانی بریزنیف نے ۱۹۷۹ء میں وی آنا (Vienna) میں امریکہ کے صدر جمی کارٹر سے مہلک ہتھیاروں کے معاہدہ Salt II کے بارہ میں کہا کہ ”اگر ہم ایسا معاہدہ نہیں کریں گے تو خدا ہم کو کبھی نہیں بخشے گا“۔ اس دہریت کے علمبردار کے مونہہ سے خدا کا یوں ذکر سن کر صدر جمی کارٹر کو اتنا اچنبھا ہوا کہ انہوں نے اپنی پاکٹ بک نکال کر صدر بریزنیف سے کہا ”کیا آپ مہربانی کر کے اس فقرہ کو دوہرا دیں گے تا کہ میں اسے صحیح الفاظ میں نوٹ کر سکوں؟ تو صدر بریزنیف کو احساس ہوا کہ ان کے مونہہ سے کیا نکل گیا اور وہ مسکرا کر چپ رہے۔ روس کے بعد اشتراکیت یا کمیونزم کا سب سے بڑا مرکز ملک چین ہے۔ اس کو کمیونسٹ بنانے والے چیئرمین ماؤزے تنگ تھے۔ ڈاکٹر ہنری کیسنجر جو امریکہ کے مشہور وزیر خارجہ رہے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ چیئرمین ماؤزے تنگ نے اپنی آخیر عمر میں ان

سے کئی بار کہا ''میں اپنے خالق سے عنقریب ملنے والا ہوں''۔ یا ''خدا مجھے بلا رہا ہے''۔ اسی طرح روس کے مطلق العنان ڈکٹیٹر سٹالن کی بیٹی سویتلانا جب اپنے باپ کی وفات کے بعد بھاگ کر امریکہ پہنچی تو اس سے اس زمانہ کے مشہور ہفتہ وار میگزین ''لائف'' کے نمائندے نے جب پوچھا کہ وہ کیوں اپنے وطن عزیز سے بھاگی تو اس نے جو سب سے بڑی وجہ بتائی وہ یہ تھی کہ ''خدا کو دل میں بسائے بغیر انسان کے لئے زندہ رہنا مشکل ہے'' اور یہ دل میں بسا ہوا خدا سے تعلق ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ خاتون دہریت کے گڑھ کریملین میں پیدا ہوئی اور بڑی ہوئی۔ اور اس ماحول میں دہریت رچی ہوئی تھی اور خدا کا نام لینا منع تھا۔ وہاں کی پلی ہوئی خاتون کے دل کے اندر اگر خدا پر ایمان یوں ٹھنکا ہوا تھا تو یہ کسی ماحول کا اثر نہ تھا بلکہ یہ وہ پیدائشی گواہی ہے خدا تعالیٰ کی ہستی اور توحید پر جس کا ذکر قرآن حکیم نے کیا ہے۔

عقل کی گواہی، سائنس کی گواہی اور انسانی فطرت کی گواہی کے علاوہ خدا تعالیٰ کی ہستی کی سب سے بڑی گواہی خدا تعالیٰ کا انسان سے بولنا ہے جب وہ تلاش کرنے والے کا جواب دیتا ہے۔ اس کی دعا کو سنتا ہے اور اس کی مشکل کو دور کرتا ہے۔ ان باتوں کا سب سے نمایاں مظاہرہ نبیوں، مجددوں اور اولیاء اللہ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ دنیا کی عدالتیں تو ایک سچے گواہ کی گواہی پر بڑے سے بڑے مقدمہ کا فیصلہ کر دیتی ہیں بلکہ بڑے سے بڑے آدمی کو پھانسی دے دیتی ہیں۔ انبیاء تو ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے۔ اور اولیاء اللہ کو ملا کر تو یہ تعداد کہیں کی کہیں پہنچتی ہے۔ یہ سب کے سب لوگ اپنی صداقت یعنی سچ بولنے کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان کی گواہی کہ خدا ہے کتنی بڑی گواہی ہے؟ اور خدا کی ہستی پر زندہ ثبوت وہ کتاب تھی جو وہ انبیاء لاتے رہے یا دہ وحی والہام تھا جو ان اولیاء اللہ اور راست باز لوگوں پر ہوتا تھا اور جس کا علم غیب اس وحی والہام کے اللہ کی طرف سے ہونے کا یقینی ثبوت تھا۔ ان لوگوں کی ساری زندگیاں، قربانیاں اور دشمنوں کی کثرت اور طاقت کے باوجود ان پر کامیابی جس کا علم پہلے سے خدا تعالیٰ کا وحی والہام ان کو دے دیتا تھا اور وہ اس کا اس وقت اعلان کرتے تھے جبکہ کامیابی بالکل ناممکن نظر آتی تھی۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر سب سے بڑا ثبوت ہے۔ پھر وحی والہام ہی ہے جس

نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا بھی علم دیا۔ اس بارہ میں قرآن حکیم نے تو کمال کر دیا ہے کہ الحمد اللہ سے لے کر والناس تک سارا قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات کا زبردست علم دے رہا ہے۔ اور یہ میں پچھلے درس میں بتا آیا ہوں کہ جب ہم مادہ کی حقیقت کو بھی صرف اس کی صفات سے پہچان سکتے ہیں حالانکہ مادہ ہماری آنکھوں اور دوسرے حواس کے سامنے ہے تو اللہ تعالیٰ کو جسے انسان کی آنکھ نہ تو دیکھنے کی تاب لا سکتی ہے نہ اس کا احاطہ کر سکتی ہے اس کی معرفت بھی اس کی صفات سے ہی اس دنیا میں حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر بالفرض خدا تعالیٰ نظر آتا ہوتا تو اس کی ہستی تو اتنی جاذب ہے کہ انسان کے لئے یہ ممکن نہ ہوتا کہ اس پر سے اپنی نظر ہٹا سکے۔ پھر انسان اور کوئی کام کاج نہ کر سکتا۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ اور ہر آن انسان کے ساتھ ہونا ضروری ہے تا کہ وہ انسان کی ربوبیت کرے، انسان کی حفاظت کرے، انسان کے اعمال اور دل پر نگاہ رکھے، انسان کی کارسازی فرمائے اور اس کی مدد کی پکار کو سن کر اس کی غیر معمولی نصرت فرما سکے، وہاں خدا کا ہر آن سامنے ہونا خود انسان کے لئے اچھا نہ تھا۔ اسی میں اس کی آزادی اور پردہ پوشی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اگر خدا تعالیٰ نظر آتا ہوتا تو انسان کے باطنی قویٰ بالکل ترقی نہ کر سکتے۔ عالم ظاہر میں دیکھ لیجئے کہ انسان کے دماغ نے اور انسان نے تمام ترقیات تبھی کیں کہ ہر چیز شروع میں پردہ غیب میں تھی اور انسان نے جدوجہد کر کے اسے نکالا یا پایا اور پھر دم بدم ترقی کرتا چلا گیا۔ مثلاً نیوٹن نے سیب کو نیچے گرتے دیکھا تو سوچ میں پڑ گیا کہ یہ سیب نیچے کیوں گرا اور زمین کے گھومنے اور ہوا کے زور سے اوپر کیوں نہیں گیا۔ پھر وہ ایمان بالغیب لایا کہ کوئی طاقت ہے جسے اگرچہ وہ دیکھ نہیں سکتا مگر وہ ہر وہ مادی چیز پر اثر انداز ہے۔ اس ایمان بالغیب لانے کے بعد جب نیوٹن نے تلاش کی تو اس نے کشش ثقل کا پتہ لگایا جس پر موجودہ سائنس کی بنیاد پڑی۔ بلکہ نیوٹن نے اور بھی بہت سی مخفی باتوں کا پتہ لگایا جس پر آج بھی سائنس کا انحصار ہے۔ اسی طرح ایٹم جس کے انکشاف پر نئی سائنس کی بنیاد پڑی ہے وہ آنکھ سے نظر نہیں آتا نہ خوردبین سے نظر آتا ہے وہ صرف اپنی ہستی کا پتہ اپنی Properties یعنی اپنی صفات سے دیتا ہے اور اس کی موجودگی پر ایمان بالغیب لا کر سائنس دانوں نے حیرت انگیز ترقیات کی ہیں۔ تو جو عالم ظاہر میں معاملہ ہے

وہی باطن یا عالم روحانیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو نظر نہیں آتا اس پر ایمان بالغیب لا کر اس کی تلاش اور جستجو سے ہی انسان کے باطنی اور روحانی قویٰ کی ترقی ہے۔

جو مغرب زدہ دہریئے خدا پر ایمان بالغیب کو قبول نہیں کرتے وہ خود صبح سے لے کر شام تک اپنے تمام معاملات ایمان بالغیب سے کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کھانا کھاتے ہیں یا پانی پیتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ وہ انہیں فائدہ پہنچائیں گے۔ اگر انہیں پہلے سے پتہ لگ سکتا کہ ان سے کوئی خطرناک بیماری انہیں ہو جائے گی تو کیا یوں بے فکری سے کھاتے پیتے؟ اسی طرح اگر وہ کوئی نوکری کرتے یا تجارت کرتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ اس میں ان کا فائدہ ہے۔ اگر انہیں پہلے سے پتہ ہوتا کہ اس نوکری میں وہ جیل خانہ میں چلے جائیں گے یا مارے جائیں گے یا تجارت کے سودے میں انہیں گھاٹا ہو جائے گا تو وہ کبھی اسے کرتے؟ اگر لڑکے یا لڑکی کی شادی کرتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ وہ کامیاب ہوگی۔ اگر پتہ ہوتا کہ ان کا لڑکا یا لڑکی ساری عمر کے لئے دکھی ہو جائے گی تو کبھی وہ رشتہ کرتے؟ اگر یہ دہریئے موٹر میں یا بس میں یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہیں تو اس ایمان بالغیب پر کہ وہ بخیریت اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ اگر انہیں پتہ ہوتا کہ حادثہ پیش آنے پر یا تو مر جائیں گے یا ساری عمر کیلئے لنگڑے لولے یا اندھے ہو جائیں گے تو کبھی وہ سفر کرتے۔ تو اگر یہ دہریئے صبح سے شام تک اپنے کام ایمان بالغیب کی بناء پر کرتے ہیں تو خدا پر ایمان بالغیب لانے میں کیوں ان کی جان جاتی ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صد چہاردہم نے کیا خوب لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کو روشن دلائل اور قرائن سے صاف ظاہر کر کے پھر اپنے آپ کو پردہ غیب میں رکھا تا کہ انسان ایمان لا کر اس کا ثواب پائے۔ یہ تو ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ قرآن حکیم نے ایمان اور اعمال صالحہ دونوں کا اجر اور ثواب علیحدہ علیحدہ رکھا ہے۔ اگر خدا نظر آ رہا ہوتا تو نہ تو اس پر ایمان لانے میں کوئی خوبی تھی اور نہ اعمال صالحہ تب کوئی خوبی رکھتے۔ پولیس مین کے آگے سب نیک بنے ہوتے ہیں مگر اس کے معنے یہ نہیں کہ دراصل نیک ہیں۔

انسان کی مادی آنکھ تو موت کے بعد یہیں گل سڑ کر مٹی میں مل جاتی ہے مگر اس کے قلب یا نفس کی آنکھ اس کے نفس کے ساتھ آگے جاتی ہے میں انشاء اللہ اگلے درس میں بتاؤں گا کہ نماز کے ذریعہ سے جس کا ذکر معاً آگے ہے انسان کی باطنی آنکھ اسی دنیا میں خدا کو دیکھنے لگتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریک نے فرمایا ہے کہ:

''جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور راستہ کے معاملہ میں زیادہ گمراہ ہوگا'' (بنی اسرائیل ۱۷:۲۷) ظاہر ہے کہ یہ جسمانی اندھے کا ذکر نہیں بلکہ روحانی اندھے کا ہے تو انسان کی روحانی آنکھ جو نماز کے ذریعہ سے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے لگتی ہے وہ آخرت میں جا کر اس حسن و احسان کی کمال ذات کو سچ مچ دیکھ سکے گی۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:

''اس دن مومنوں کے چہرے خوشی سے چمک رہے ہوں گے اس لئے کہ وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے'' (القیامۃ: ۷۵-۲۲،۲۳)۔
اللہ تعالیٰ کی زیارت جنت کی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

## درخواست دعا

لاہور (دارالسلام
دفتر انجمن کے نہایت ہی اہم بزرگ محترم فیض الرحمٰن صاحب کا حال ہی میں ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ کافی چوٹیں آئیں ہیں۔ ان کی احباب جماعت سے درخواست ہے کہ ان کے لئے شفاء کاملہ کی دعائیں جاری رکھیں۔

---

محترم چوہدری ریاض احمد صاحب (اسسٹنٹ سیکرٹری) کا حال ہی میں آنکھ کا آپریشن ہوا ہے۔ صحت وتندرستی کے لئے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

---

محترم خرم جمیل صاحب جو کہ کافی عرصہ سے بیمار ہیں اور ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ ان کے اہل خانہ کی احباب وخواتین سے درخواست ہے کہ ان کے لئے خصوصی طور پر اپنی نمازوں میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامل صحت یاب کرے۔ آمین

شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

# بزمِ اطفال

## عالم کی عمر

کسی نے ایک بڑے تاریخ دان سے پوچھا۔ آپ کی عمر کتنی ہوگی؟

تاریخ دان نے کہا۔ یہی کوئی سات آٹھ ہزار سال کی۔

اس نے کہا۔ صورت سے تو آپ چالیس برس کے معلوم ہوتے ہیں۔

تاریخ دان نے جواب دیا۔ آپ کا خیال بالکل صحیح ہے کہ مجھے اس دنیا میں آئے ہوئے چالیس سال ہی گزرے ہیں لیکن علم نے میری عمر کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ آج سے سات آٹھ ہزار برس پہلے کی باتیں مجھے ایسی معلوم ہوتی ہیں، گویا میرے سامنے ہو رہی ہیں۔

وہ تمام بڑے بڑے شاہی دربار جنہیں معمولی آدمی دیکھ نہ سکتے تھے اور ایسی سخت لڑائیاں جن میں جاتے ہوئے بڑے بڑے بہادروں کے اوسان خطا ہوتے تھے، کتاب کھولتے ہی میرے سامنے آجاتی ہیں۔ زبانیں میرے روبرو بنی اور بگڑی ہیں۔ مذہب میرے سامنے پیدا ہو کر دور دور پھیل جاتے ہیں۔ سلطنتیں میرے سامنے بن بن کر بگڑ جاتی ہیں۔ اور پرانی جگہیں نئے لوگ سنبھال لیتے ہیں۔

میں ہر زمانے کے مشہور آدمیوں کے ناموں اور ان کے بھلے برے کاموں سے واقف ہوں۔ ہر مذہب کے عالموں اور ملک ملک کے بادشاہوں کو جانتا ہوں مجھے معلوم ہے کہ جہاں تم اب شہر بستے، باغ مہکتے، ریل اور موٹر چلتے دیکھ رہے ہو، وہاں اس سے پہلے ایسے سنسان جنگل تھے کہ آدمی قدم رکھتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ملک، ریگستان، پہاڑ، دریا، بستیاں اور ویرانے میرے دیکھتے دیکھتے کچھ سے کچھ ہو گئے۔ علم حاصل کرو گے تو ایسی ہی عمر پالو گے۔

☆☆☆☆

## لکڑی کا گھوڑا

ٹرائے یورپ سے آبنائے ڈارڈنیل پار کر کے ایشیائی ترکی کا پہلا شہر تھا۔ بہت ہی پرانے زمانے کی بات ہے کہ ٹرائے کے شہزادے پیرس اور یونان کے بادشاہ میں لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف بڑے جنگجو اور بہادر سردار موجود تھے۔ اس کے علاوہ ٹرائے کے شہر کے چاروں طرف فصیل (حفاظتی دیوار) تھی۔ جس کی وجہ سے شہر کے اندر داخل ہونا ممکن نہ تھا۔

یونانیوں نے اندر داخل ہونے کے لئے ایک چال چلی۔ انہوں نے بہت بڑا لکڑی کا گھوڑا بنایا اور اس کے پیٹ میں اپنے چند سپاہیوں کو بٹھا دیا اور رات کے وقت اس گھوڑے کو فصیل کے پھاٹک کے سامنے چھوڑ گئے۔ فوج قریب ہی چھپ گئی۔

صبح پھاٹک کھولا گیا اور دشمن کی فوج کا کوئی سپاہی نظر نہ آیا تو ترک فوجیوں نے گھوڑے کو پھاٹک کے اندر کیا اور یہ سوچ کر کہ دشمن عاجز آکر بھاگ گئے ہیں اور ہماری فتح ہوئی۔ انہوں نے خوب خوشی منائی، کھایا پیا اور سو گئے۔ جب سارا شہر بے خبر سو رہا تھا تو یونانی سپاہی گھوڑے کے پیٹ میں سے باہر نکلے فصیل کے پھاٹک کھول دیئے اور یونانی فوج اندر داخل ہوگئی۔ اس طرح ٹرائے کے بادشاہ کو شکست کھانا پڑی۔

## دلچسپ اور عجیب

### چاکلیٹ کے مجسمے

یوں تو چاکلیٹ چھوٹوں بڑوں سب کو ہی پسند ہے لیکن اب چاکلیٹ کو کھانے کے ساتھ مجسمہ سازی کے لئے بھی استعمال کی جانے لگی ہے۔

نیویارک کے ایک مقامی قصبے میں انتیس سالہ سوئیڈش آرٹسٹ نے چاکلیٹ کو چالیس سے زائد حیرت انگیز مجسموں کی شکل میں ڈھال کر انوکھے فن کا مظاہر کیا ہے۔ سجاوٹ کے غرض سے بنائے گئے ان منفرد مجسموں کو کھایا بھی جا سکتا ہے۔

## بھوک مٹانے کا انوکھا طریقہ

ایک امریکی کمپنی نے ایسے کپ کیکس تیار کر لئے ہیں جنہیں کھانا نہیں صرف سونگھنا ہے۔ جو وزن کم کرنے کے نئے طریقوں میں ایک اور اضافہ ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے تحت تیار کئے گئے کپ کیک انہیلر نامی ان ڈیزرٹس کو صرف سونگھنے سے بھوک ختم ہو جاتی ہے۔ اور کچھ کھائے بنا ہی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مکمل کھانا کھا لیا گیا ہے۔ چودہ مختلف ذائقوں والی خوشبوؤں میں دستیاب ان کپ کیک انہیلر کو دنیا کے پہلے کیلوری فری ڈیزرٹ بھی کہا جا رہا ہے جنہیں سونگھ کر میٹھا کھانے کا شوق بھی پورا ہو جاتا ہے اور وزن بھی نہیں بڑھتا۔

## آلوؤں کا شہر

آلو سے صرف فرنچ فرائز ہی نہیں بلکہ فن پارے بھی تخلیق کئے جا سکتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ ترکی کے ایک آرٹسٹ Rootpeter نے کیا ہے۔ جس نے اپنے انوکھے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آلو کی مدد سے پورے شہر کا ماڈل تیار کر لیا ہے۔ اس حیرت انگیز شاہکار کو تیار کرنے کے لئے کل اسی (80) کلوگرام آلو استعمال ہوئے ہیں۔ جنہیں چھری سے تراش کر تین ہفتوں میں ایک مکمل شہر کی شکل دی گئی ہے۔ اس فن پارے کو تخلیق کرتے ہوئے Peter نے آلوؤں سے بنے اس شہر میں رہائشی مکان، چھوٹی بڑی بلڈنگز، دفاتر اور مینار بھی بنائے ہیں جن پر خوبصورت نقش و نگاری بھی کی گئی ہے۔

☆☆☆☆

# بزمِ اطفال

## کوئز برائے اطفال الاحمدیہ

رسول اللہ صلعم کے دور میں اسلامی ریاست کے دار الخلافہ کون سا شہر تھا؟

(۱): مکہ (۲): مدینہ (۳): طائف

قبلہ اوّل کس کو کہتے ہیں؟

(۱): مسجد نبوی (۲): مسجد الحرام (۳): مسجد اقصیٰ

ارکان اسلام کتنے ہیں؟

(۱): چار (۲): پانچ (۳): چھ

مسلمانوں پر سال بھر میں کتنے ماہ کے روزے فرض ہیں؟

(۱): تین ماہ (۲): دو ماہ (۳): ایک ماہ

غزوہ کس جنگ کو کہتے ہیں؟

(۱): جو مسلمانوں نے لڑی ہو (۲): جس میں رسول اللہ صلعم شریک نہ ہوئے ہوں (۳): جس میں رسول اللہ صلعم شریک ہوئے ہوں۔

## گذشتہ ماہ کے درست جواب دینے والوں کے نام

(۱): عماد احمد (پشاور) (۲): ولید احمد (پشاور) (۳): عباد احمد (پشاور)

(۴) مبشر احمد (پشاور) (۵): مشید احمد (سرائے نورنگ)

(۶): حاشر احمد (سرائے نورنگ)

## جواب ارسال کرنے کا طریقہ

تمام بچے اپنے جوابات اس پتہ پر ارسال کریں: دفتر شبان الاحمدیہ مرکزیہ ۵ عثمان بلاک دارالسلام کالونی نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔

نیز جوابات sms کے ذریعے بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:

☆ اپنا نام اور شہر کا نام ☆ سوال کا نمبر اور آگے جواب

☆ شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے نمبر 0313-4433515 پر بھیجیں

آپ کا Message ملنے پر آپ کو تصدیقی sms موصول ہو جائے گا۔

# انا خاتم النبین لا نبی بعدی

رملہ آفتاب (احمدیہ بلڈنگس، لاہور)

''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے''۔

(سورۃ احزاب، آیت نمبر 40)

خاتم سے مراد مہر بھی ہے اور آخری بھی۔ اصل میں یہ دونوں خاتم اور خاتم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خاتم النبین اس لئے کہا کہ آپؐ کے ساتھ نبوت کو ختم کر دیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے آخری نبی بنا کے اس دنیا کے تمام مذاہب کے لئے بھیجا۔ اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ ثابت کروں گی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی نبی کے آنے کی کوئی گنجائش نہیں اور اسی پر ساری امت کا اجماع ہے اور یہ بھی بتا دوں کہ یہ احادیث تواتر کے ساتھ ہیں اور صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی جماعت سے مروی ہیں۔ سب سے پہلے ایک مشہور حدیث ہے۔ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں ''میری مثال اور نبیوں کی مثال ایک شخص کی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور بہت خوبصورت بنایا سوائے کونے کی اینٹ کے تو لوگ اس کے گرد گھومتے اور تعجب کرتے اور کہتے یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی سو میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبین ہوں''۔

ایک دوسری متفقہ علیہ حدیث ہے آپؐ فرماتے ہیں ''میری امت میں تیس دجال ہوں گے وہ سب کہیں گے کہ میں نبی ہوں لیکن میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔ ایک اور حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں مجھے باقی نبیوں پر کچھ چیزوں میں فضیلت دی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ پھر آپؐ کی ایک مشہور حدیث جو ہماری جامع میں بھی جلی حروف میں لکھی ہوئی ہے اور آپ کے علم میں ہے کہ میرے مضمون کا عنوان بھی یہی ہے ''انا خاتم النبین، لا نبی بعدی''۔

ایک جگہ آپؐ فرماتے ہیں بنی اسرائیل میں نبی پر نبی آتے رہے لیکن میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد خلفاء آئیں گے''۔

آپؐ فرماتے ہیں ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا'' حضرت عمرؓ کے لئے آپؐ نے فرمایا کہ وہ محدث ہیں۔

اب آخر میں آپ کو بتا دوں کہ قرآن پاک میں سورۃ احزاب کی اس آیت اور رسول اللہ صلعم کی ان احادیث کے بعد کوئی بھی انسان آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ خلیفہ رسول صلعم کو اس کے گھر والوں نے اپنی دنیا کے لئے نبی بنایا اور پھر سو سال سے ساری امت کے لئے ایک ناقابل فہم مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔۔

آخر میں دعا کرتی ہوں کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پاک کو سمجھنے اور رسول اللہ صلعم کی ان احادیث کو سمجھنے کی عقل عطا فرمائے۔ آمین

## ختم نبوت

از: اعظم علوی

تعجب ہے وہ دعویدار ہیں ختم نبوت کے
جو کہتے ہیں مسیح ناصری نے پھر سے آنا ہے
مگر ختم نبوت کا تقاضا ہے کہ دنیا میں
نہ اب کوئی نبی آئے، نیا ہے یا پرانا ہے

30 ستمبر 1970ء

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دار السلام۔ 5۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

# آسمان رسالت کے ستارے حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں

(از جناب غلام رسول صاحب جانباز)

اِک روز مجدد وقت ہوئے جب مسجد میں محفلِ آرا  ہر ایک فدائی حاضر تھا جمگھٹ احباب کا تھا سارا

اس بزم میں اللہ والوں کا تھا نور برستا چہروں پر  لاریب وہاں ہر فرد و نظر تھا ثریا کا تارا

کی عرض عقید تمندوں نے کچھ مرتبہ آپ کا کم تو نہیں  بوبکرؓ و عمرؓ سے ۔ کرلے کوئی چشمِ انصاف سے نظارا

فرمایا نہ یوں زنہار کہو یارانِ نبی کے بارے میں  بوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کی ہمسری کا کس کو یارا

ہے فخر مجھے اس بات میں ہوں گر ان کے کفش برداروں میں  ذی شان تھے سب خلفائے نبی۔ اور میں اِک عاجز بیچارا

وہ نورِ صداقت کو لے کر شمشیر و سناں سے دب نہ سکے  اسلام کی راہ میں پیش نبی ہر اک نے تن من دھن وارا

جب مطلعِ عالم پر ظاہر یثرب کا بدر منیر نہیں  اصحاب سا کیونکر ظاہر ہوا فلاک جہاں پر سیارا

ایں غلو پرستاں ایشاں راہمدوش نبیاں می سازند

درپیش حق و انصاف شود ہر کوشش ایشاں ناکارا

(پیغام صلح 17 مارچ 1939ء)

# احمدی نوجوانوں سے

از: اعظم علوی

یہ سچ ہے باغِ عالم میں بہارِ جاوداں تم ہو گل اسلام کی رنگینیوں کے پاسباں تم ہو
کلام پاک یزداں کے حقیقی ترجماں تم ہو جہاں میں پیکر اسلام کی تاب و تواں تم ہو

جہانِ آرزو کے جسم و جاں روحِ رواں تم ہو

تمہاری سمت اٹھی ہیں نگاہیں اک زمانے کی تمہی وہ شاخ ہو بنیاد ہے جو آشیانے کی
اٹھو کچھ فکر کر لو اپنے آب و دانے کی گھڑی پھر آن پہنچی ہے تمہارے آزمانے کی

اٹھو تیار ہو باندھو کمر گر نوجواں تم ہو

افق کو چیر کر نکلے تھے تم مہرِ مبیں بن کر شفق کے خون میں تیرے تھے تم درِّثمیں بن کر
بھلا یہ پردہ داری کب روا ہے دلنشیں بن کر تمہیں عالم کی نظریں ڈھونڈتی ہیں خوردبیں بن کر

فلاح وفوزِ ایماں جس میں ہے وہ داستاں تم ہو

تباہی پھر سے ہے گھیرے ہوئے اقوامِ عالم کو ہلاکت یک بیک چونکا رہی ہے ابن آدم کو
خداوندان یورپ بھول بیٹھے اپنے دم خم کو ہیں گر د کارواں میں ڈھونڈتے زخموں کے مرہم کو

تسلی دو انہیں اٹھ کر کہ میرِ کارواں تم ہو

جہالت ڈھونڈتی پھرتی ہے اب تصویر خالق کی رضا جو ہوگئی مادہ پرستی آج رازق کی
وارثت میں تمہیں آئی ہے وہ میراث سابق کی حکایت ہے سکوتِ شام میں جو صبحِ صادق کی

اٹھا کر پردہ دکھلا دو کہ نورِ کن فکاں تم ہو

تعجب ہے کہ ایسے وقت میں تم پر ہو خاموشی کرو کچھ ہوش کی باتیں نہیں اچھی یہ مدہوشی
سکھاؤ بزمِ عالم کو نئے انداز مے نوشی جہاں میں کچھ نہیں جز جاں فروشی و جہاں کوشی

عمل سے دو ثبوت اس مصلحت کے رازداں تم ہو

21 دسمبر 1949ء